نوائے دل از جناب ہادی مچھلی شہری تقطیع بڑی ضخامت ۲۹۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ؏ پتہ کتابستان کملا نہرو روڈ الہ آباد،

جناب ہادی مچھلی شہری کا کلام تعارف سے مستغنی ہے، اُن کی مشق سخن پر چالیس سال گذر چکے ہیں اتنی طویل مشق ایک متشاعر کو شاعر بنا دینے کے لئے کافی ہے، اور جناب ہادی تو صاحبِ استعداد اور فطری شاعر ہیں، ایک زمانہ میں اردو کا کوئی ادبی رسالہ ان کے کلام سے خالی نہ ہوتا تھا، لیکن اب وہ اس منزل سے آگے بڑھ چکا ہے، نوائے دل اُن کے کلام کا مجموعہ ہے، حضرت ہادی کے کلام کا نشو و نما اس دور میں ہوا، جب شاعری کی پرانی بساط اُٹھ رہی تھی، اور نئی محفل جم رہی تھی، اسلئے ان کا کلام دونوں کے اچھے اثرات کا نمونہ اور خیالات کی نفاست و پاکیزگی، اور زبان و قواعد کی صحت و صفائی کا مجموعہ ہے، اور اس میں نئے طرز کے جوش و مستی اور چمک، اور تڑپ کے بجائے ایک خاص قسم کی متانت و سنجیدگی اور اعتدال و پختگی پائی جاتی ہے اس حیثیت سے ان کا کلام استادانہ ہے، دیوان کے شروع میں مصنف کے قلم سے انکے حالات ہیں جناب ڈاکٹر سید سیف اللہ سید کے قلم سے کلام پر ناقدانہ تبصرہ ہے، امید ہے کہ اصحابِ نظر میں نوائے دل کی پوری قدردانی کیجائیگی،

حزب اللہ مرتبہ جناب پروفیسر حاجی مولوی محمد الیاس برنی صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۶۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، محصول ڈاک بھیجکر مفت ملیگی، پتہ: بیت الاسلام سیف آباد حیدرآباد دکن،

مسلمانوں کی دینی و دنیوی فلاح و سعادت اور مشکلات و مصائب کے حل کے لئے ظاہری تدابیر کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں دعا، عجز و نیاز اور الحاح و زاری بھی ضروری ہے، اس غرض کے لئے علماء و صلحاء نے احادیثِ نبوی سے ماثورہ دعائیں جمع کی ہیں، ان میں حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی حزب البحر زیادہ مشہور ہے، آجکل مسلمانوں پر بڑا نازک وقت ہے، اس لئے مرتب نے ان حالات کی مناسبت سے حزب اللہ کے نام سے آیاتِ قرآنی و دعائیں اور اوراد مرتب کئے ہیں، اور تقسیم میں ان کی معنوی مناسبت کا خاص لحاظ رکھا ہے، کتابچہ کے شروع میں اس کے نکات و فوائد پر مشتمل ایک مفید مقدمہ ہے، اصحابِ ذوق و حال کو اس ہدیہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے "م"

جلد ۶۱ ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۸ء عدد ۲

مضامین

شذرات

جدید ہندوستان کی تعمیر میں مختلف جماعتوں کے درمیان خیالات اور نظریوں کا جو اختلاف اور اسکی بنا پر جو ذہنی کشمکش ہے اس میں صرف ایک کانگریس سے صحیح رہنمائی کی امید تھی لیکن اس وقت اسکی پالیسی خود کمزور، مذبذب اور غیر متعین ہے اور اپنے بعض اصولوں سے ہٹ گئی ہے اسکے ارکان میں اختلاف ہے، صوبائی حکومتیں اسکے بہتیرے اصولوں اور فیصلوں کی پروا نہیں کرتیں اس کا سب سے نمایاں ثبوت زبان جیسے اہم مسئلہ میں ان کی روش ہے اس بارہ میں چند بلند نظر اور کشادہ دل کانگریسیوں کے علاوہ باقی پوری جماعت ہندی زبان اور اسکے ساتھ ہندو کلچر کی حامی ہے، آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے تو ہندوستانی کو قومی و ملکی زبان قرار دیا ہے گو ابھی رسم الخط کا فیصلہ نہیں ہوا ہے مگر دستور ساز اسمبلی کی کانگریس پارٹی نے ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط کی تجویز پیش کی ہے صوبائی حکومتیں علٰحدہ ہندی نوازی کے ساتھ اردو کشی میں بھی مشغول ہیں اور اس کار خیر میں سب سے زیادہ مستعد ہمارے صوبہ کی حکومت ہے سرکاری دفاتر سے تو پہلے ہی اردو نکل چکی تھی اس نے تعلیم سے بھی اسکو ختم کر دینے کے منصوبے تھے بلکہ اسکے احکام بھی صادر ہو چکے تھے، مگر غالباً تعلیمی دقتوں کی وجہ سے فی الحال اس کو اختیاری زبان کی حیثیت سے باقی رکھا گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں انگریزی لازمی ہے،

ہم کو ہندی سے اختلاف نہیں ہے اب تو وہ سرکاری زبان بن چکی ہے اس لئے اس کی تعلیمی اہمیت بھی لازمی طور سے بڑھ جائیگی اور ہر شخص کے لئے اس کا سیکھنا ضروری ہے لیکن اتنا تو موقع دیا جائے کہ لوگ اسے سیکھ سکیں یہ کونسا اصول ہے کہ جو شخص آج تک ہندی سے بالکل ناواقف ہے اس کو کل ہی سے ہندی میں کام کرنے پر مجبور کیا جائے یا جو طالب علم اب تک اس سے بیگانہ ہے اسے بغیر ہندی سیکھے ہوئے دفعۃً تمام مضامین کی تعلیم ہندی میں دیجائے اور یہ دقت صرف مسلمان طلبہ اور اساتذہ کے لئے نہیں بلکہ ہندوؤں کیلئے بھی ویسی ہی دشواری ہے،

دوسرے یہ کہ اردو کے ساتھ اجنبی زبان کا برتاؤ نہ کیا جائے چالیس لاکھ سکھوں کی خاطر تو گورمکھی اور اس کے رسم الخط کو سرکاری زبان بنایا جاسکتا ہے لیکن چار کروڑ مسلمانوں کی خاطر اردو زبان اس کی مستحق نہیں اور پھر قومیت متحدہ کا دعویٰ ہے،

لیکن یہ غنیمت ہے کہ ان حالات میں گورنر جنرل راجہ گوپال اچاریہ، پنڈت جواہر لال نہرو اور بابو راجندر پرشاد کی زبان سے البتہ

وقتاً فوقتاً ہندوستانی کی حمایت کی آواز بلند ہوتی رہتی ہے جس کو اصولاً مرکزی حکومت کی آواز ہونا چاہئے تھا لیکن خود کانگریس کے حلقہ سے انکی مخالفت ہوتی ہے، چنانچہ پنڈت جواہر لال کی مدراس کی اس تقریر سے جس میں انھوں نے ہندوستانی زبان کی حمایت اور اسکو سنسکرت اور فارسی الفاظ سے بوجھل بنانیکی مخالفت کی تھی خود دستور ساز اسمبلی کے بعض کانگریسی ممبروں نے سخت اختلاف کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ہندوستانی ایک دوغلی اور مبہم زبان ہے جو بول چال میں یا ادبی حیثیت سے ملک کے کسی حصہ میں رائج نہیں ہے اور صوبائی اور قومی زبان صرف سنسکرت آمیز ہندی ہو سکتی ہے اور ہندوستان کی قومی زبان کو سنسکرت آمیز بنانے میں کوئی حرج نہیں، یہ بیان موجودہ عام ذہنیت کا ایک نمونہ ہے ایک طرف تو یہ کانگریسی حضرات اور کانگریسی حکومتیں ہر بات میں گاندھی جی کا حوالہ دیتی ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا دعویٰ کرتی ہیں دوسری طرف زبان کے معاملہ میں انھیں ان کی رائے اور وصیت کا کوئی پاس و لحاظ نہیں،

درحقیقت ہندوستان کے ان نادان اور کوتاہ نظر دوستوں نے جو ہندوستان میں ہندو تہذیب کا خواب دیکھ رہے ہیں زبان کو ہندوؤں کا ایسا قومی مسئلہ بنا دیا ہے کہ بڑے بڑے دانا اس دام میں آگئے لیکن شاید ان کی نگاہ تہذیب و تمدن کی پیدائش، ان کی ترقی، اشاعت و مقبولیت اور ان کے زوال و خاتمہ کے طبعی اسباب و اصولوں پر نہیں ہے ورنہ وہ ان کی فطری رفتار میں مزاحمت نہ کرتے، زبان اور تہذیب و معاشرت وغیرہ کلچر کے تمام اجزاء نہ جبر و قوت سے پیدا کئے جاسکتے ہیں اور نہ مٹائے جاسکتے ہیں بلکہ وہ مختلف طبعی عوامل و اسباب کے ماتحت صدیوں میں بنتے اور بگڑتے ہیں اور ان کی اشاعت و ترقی کا ذریعہ قوت نہیں بلکہ ان کی افادی حیثیت، حالات و ضروریات کا تقاضا اور ان سے ان کی مطابقت اور ان کی ظاہری نفاست و دل آویزی ہے اس لئے جو کلچر بھی ان اوصاف سے متصف ہوگا وہ خود بخود رائج اور مقبول ہو جائیگا اور کوئی قوت اسے نہ روک سکے گی، تاریخ تمدن کا یہ اصول ہمیشہ سے جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا،

اس اصول کے پیش نظر ہندو کلچر کے نقیبوں کو غور کرنا چاہئے کہ وہ موجودہ مشترک کلچر کے مقابلہ میں جو عربی ایرانی اور ہندو (اور اب اس میں انگریزی کو بھی شامل کر لینا چاہئے) تمدنوں کے حسین و دلکش عناصر کا بوقلموں اور دلفریب مرقع ہے، اور جو صدیوں سے ہندوستانیوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا ہے اسے چھوڑ کر ہزاروں برس پرانے اور بوسیدہ تمدن کو زندہ کرنے میں کہاں تک کامیاب ہونگے، اور کون ہندوستانی یہ رجعت قہقری کرنا پسند کریگا، ہر دور کا کلچر اس زمانہ کے سیاسی معاشرتی و معاشی اور دوسرے تمدنی حالات کی پیداوار اور اس کا نتیجہ اور انہی کے لئے موزوں و مناسب ہوتا ہے، وہ دوسرے حالات میں نہیں چل سکتا اس لئے کسی زمانہ

ین پرانے کلچر کو زندہ کرنے کے معنی یہ ہین کہ پھر وہی پرانے حالات بھی پیدا کئے جائین اور ہندوستان کو کئی ہزار سال پیچھے کی طرف لوٹایا جائے اگر یہ خیال ہو تو البتہ پراچین بھارت کو زندہ کرنے مین مضائقہ نہین لیکن اس پر بھی غور کر لیا جائے کہ اس ہندوستان کا متمدن دنیا مین کیا درجہ ہوگا اور وہ اپنا وجود کس طرح قائم رکھے گا، ان اوہام وخرافات کی اسکے زیادہ اور کوئی حقیقت نہین کہ زیادہ سے زیادہ چند معاشرتی آداب ورسوم بدل جائین گے ورنہ پورے کلچر کو شدھ کرنے کے بعد اس مین رہ کیا جائے گا اور اس کی تصویر کیا ہوگی،

ہندوستانی کلچر کی عمارت مختلف تہذیبون کے ستونون پر قائم ہے اور آئندہ بھی رہے گی اسی مین اس کا حسن بھی ہے اور استحکام بھی ان مین سے جس ستون کو بھی گرانے کی کوشش کیجائے گی، اس سے عمارت کی مضبوطی اور خوبصورتی مین فرق آجائے گا ہندی زبان اور ہندو کلچر کی شور سے باہمی تفریق کے سوا اور کچھ حاصل نہین جس کے نتائج بد سے اب تک ہندوستان کو نجات نہین ملی ہے،

ناظرین کو یہ معلوم ہے کہ دلی کے گذشتہ ہنگامے مین انجمن ترقی اردو اور ندوۃ المصنفین کو بڑا نقصان پہنچا تھا اور خیال تھا کہ وہ مدتون نہ سنبھل سکین گے، لیکن اس کے مخلص کارکنون نے ہمت واستقلال سے اس صدمہ کو برداشت کیا، اور یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ ندوۃ المصنفین نے حسب معمول پھر اپنا کاروبار جاری کر دیا ہے، اور اس نے کئی نئی کتابین شائع کی ہین، اب ان اداروں کی زندگی کی پہلے سے کہین زیادہ ضرورت ہے اس لئے انکی امداد واعانت اردو کے تمام بہی خواہون کا فرض ہے، اور کم سے کم مدد یہ ہے کہ ان کی مطبوعات ورسالہ کی خریداری اور اشاعت کی زیادہ سے زیادہ کوشش کیجائے، ہم نے کسی گذشتہ اشاعت مین لکھا تھا کہ دیوان فغان جسے ہمارے رفیق سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب نے مرتب کیا تھا، اور انجمن ترقی اردو کی جانب سے شائع ہو رہا تھا دلی کے ہنگامہ مین ضائع ہوگیا، لیکن ایک تازہ اطلاع سے معلوم ہوا کہ دیوان مذکور محفوظ ہے،

لکھنؤ کے مشہور قرآنی ادارہ تعلیمات اسلامی کی جانب سے عنقریب ایک ہفتہ وار اخبار تعمیر نکلنے والا ہے ہم کو توقع ہے کہ یہ اخبار ادارہ کے لائق کارکنون کی نگرانی مین ملک وملت کی مفید تعمیری خدمات انجام دیگا اور مسلمان اسکی پوری قدر دانی کرین گے

مقالات

قومیت

ٹیگور کی کتاب نیشنلزم کے اردو ترجمہ پر مقدمہ

از

سید سلیمان ندوی

رابندر ناتھ ٹیگور ہندوستان کے ان مشاہیر مین تھے، جن کے خیالات وافکار سے نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ وامریکہ اور ایشیا کے بہت سے ملک متاثر ہوئے، اُن کی شاعری نے مادی دنیا کی نگاہون کے سامنے روحانیت کے مناظر پیش کئے، جنگ وجدل اور تعصب وعداوت سے بھری ہوئی قومون کو انسانی برادری اور اخوت ومحبت کا پیام سنایا، اُن کے افسانون اور کہانیون مین اخلاق کے سبق اور حکمت کے درس ہین اُن کی تقریرین فلسفیانہ حقائق اور حکیمانہ نکات سے لبریز ہین، اسی لئے اُن کی تصنیفات کے ترجمے متعدد مہذب زبانون مین ہوئے، اور شوق کے ہاتھون سے لئے اور بصیرت کی آنکھون سے پڑھے گئے،

خاکسار کو موصوف کے دیکھنے کا اتفاق دو دفعہ ہوا، پہلی دفعہ ۱۹۲۰ء مین لندن مین ہندوستانی طالب علمون کے ایک جلسہ مین جو شکسپیر ہٹ مین ہوا تھا، مین نے اس جلسہ مین جب پہلی دفعہ دیکھا تو اُن کا لمبا قد، صاف رنگ، لمبی سپید داڑھی، سر پر لمبے لٹکتے بال، اس پر لمبی قلندری ٹوپی، جسم پر ایک لمبا لباس، دیکھ کر عمر خیام کی وہ خیالی صورت سامنے آگئی، جو بعض کتابون مین شائع ہوئی ہے،

دوسری دفعہ ۱۹۲۳ء مین ان کو دیکھا جب مین مصر سے اور وہ شاید امریکہ سے واپس آرہے تھے، ہین

مصر کے ساحل سے جس جہاز پر ہندوستان کے لئے روانہ ہوا، اسی پر موصوف بھی سوار تھے، راستہ بھر تو دور دور سے
دیکھا، وہی شکل، وہی صورت، وہی لباس تھا، جس دن جہاز ہندوستان کے ساحل کے قریب آرہا تھا، اور سارے
ہندی مسافر اپنے وطن کی سرزمین کو مشتاقانہ دیکھ رہے تھے، انہی میں ٹیگور بھی تھے، میں اُن کے پاس گیا
اور باتوں باتوں میں اُن سے پوچھا کہ کیا آپ نے کبھی دیوان حافظ پڑھا ہے، انھوں نے جواب دیا میں نے خود تو
نہیں پڑھا، البتہ میرا باپ فارسی جانتا تھا، وہ مجھکو کبھی کبھی اس کا ترجمہ سُنایا کرتا تھا"

ٹیگور کی عالمگیر شہرت نے ہندوستان کی عزت اور ناموری میں چار چاند لگا دیئے، جس کا آغاز گیتانجلی
سے ہوا، جس پر ادب اور شعر و سخن کا سب سے بڑا انعام اس کو حاصل ہوا، اور جس پر اس کو دنیا کا سب سے بڑا
شاعر سمجھا گیا، حالانکہ اس کے فلسفیانہ خیالات اور حکیمانہ افکار بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتے، لیکن تعجب کی بات یہ ہے
کہ اردو کی قسمت میں اس کی چند نظموں، کہانیوں، اور افسانوں کے سوا کچھ اور نہیں آیا، اس سے بڑھ کر یہ کہ اردو
کے بعض ادیبوں نے اُس کے طرز تحریر کی نقالی میں بعض ایسے بھونڈے نمونے پیش کئے، جن سے ناواقفوں کی نگاہوں
میں خود ٹیگور کی بھی اہمیت نہیں رہی،

آج ایک نوجوان ہندوستانی مسلمان عبد الفتاح انصاری کی کوشش سے موصوف کی ایک اہم کتاب
"نیشنلزم" کا اردو ترجمہ ہمارے سامنے ہے، یہ ان کے تین مقالوں یا خطبوں اور ایک نظم پر مشتمل ہے، پہلے مقالہ
کا عنوان "مغرب میں قومیت" اور دوسرے کا "جاپان میں قومیت" اور تیسرے کا "ہندوستان میں قومیت" ہے، اور
نظم کا عنوان صدی کا آخری غروب آفتاب ہے، یہ مجموعہ ۱۹۱۷ء میں لندن میں چھپا تھا،

یہ مجموعہ پہلی بڑی لڑائی کے آخر میں چھپا، اس لئے اس میں انسانی مصیبتوں کی تلخی کی آواز موجود ہے،
لیکن دوسری بڑی لڑائی کے بعد یعنی تاریخ اشاعت سے آج تیس برس بعد انسانیت، قومی عصبیت، آدمی
خونخواری، اور انسانی برادر کشی کے مہیب مناظر کو دیکھ کر جس قدر اپنے مستقبل سے ترساں اور لرزاں ہے، اگر
آج مصنف زندہ ہوتا، تو اس کے قلم سے انسانی محبت کی موت پر وہ نالہ و شیون نکلتا، جس سے دنیا ایک

مدت تک متاثر ہوتی،

مصنف نے اپنے پہلے مقالہ میں مغرب میں قومیت پر اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں، تمہید میں ہندوستان
کی روحانی مسکینیت، اور اس کی عمیق فکری ذہنیت اور اوس کی دنیا سے الگ تھلگ زندگی کا نقشہ کھینچا ہے، لیکن
میرے خیال میں یہ ہندوستان کی یک رُخی تصویر ہے، اوس کے دوسرے رُخ کی تصویر پنجاب اور اس کے ملحقہ
میدان میں آریہ قوم کے داخلہ اور یہاں کی پرانی آبادیوں سے آویزش اور اُن کو اُن کے مملوکہ مقامات سے
نکال کر اچھوتوں کے درجہ پر لے آنے کی نمایاں کوششوں کے رنگ سے تیار کرنا چاہئے، یا پھر مہا بھارت اور
راماین اور ہندو اتہاس کے اُن غیر مدوّن واقعات اور حوادث کی رنگینی سے کرنا چاہئے، جن میں ہر راجہ دوسرے
راجہ سے اور ایک خاندان دوسرے خاندان سے اسی طرح برسر آویزش نظر آتا ہے، جس طرح ہندوستان کی
قرون وسطیٰ کی ترکی اور مغل سلطنتوں میں نظر آتا ہے،

مصنف نے قوم کی تعریف نہایت دلآویز کی ہے، یعنی وہ جماعت بندی جو کسی ملک کے باشندوں کے
سیاسی و معاشی اتحاد سے پیدا ہو، یہ پوری آبادی کی وہ صورت ہے، جو کسی انتظامی مقصد کے لئے اس کی تنظیم
کرنے سے پیدا ہوتی ہے" ہندوستان پر مختلف قوموں نے باہر سے آکر سلطنتیں کیں، اس سلسلہ کی آخری
کڑی انگریز ہیں، مصنف نے بڑی خوبی سے انگریزوں کے اور اُن سے پہلے کی فاتح قوموں کے مقصدِ سلطنت
کے فرق کو نمایاں کیا ہے، اور بتایا ہے کہ انگریزوں سے پہلے سلاطین کی حکومت تھی، یعنی ایک فرد واحد اپنے
اغراض اور ضروریات کے لئے ہم پر حکومت کرتا تھا،

"ہم مغل اور پٹھانوں کو جانتے تھے جنھوں نے ہندوستان پر حملہ کیا، اور جو اپنے پسندیدہ
اور ناپسندیدہ مذاہب اور رسم و رواج کے حامل تھے، لیکن ہم انھیں انسانی نسلوں کے
اعتبار سے جانتے تھے، ہم نے انھیں قوم کی حیثیت سے کبھی نہیں جانا، ہم نے حالات کے اعتبار
سے ان سے محبت بھی کی، اور نفرت بھی، ہم اُن کے ساتھ شریک ہوکر دوسروں سے لڑے اور

کبھی اُن کے خلاف، ہم نے اُن سے ایک ایسی زبان مین گفتگو کی، جو اُن کی بھی تھی، اور ہماری بھی، اور اُس سلطنت کی قسمت کی نگہبانی کی، جس مین ہم عملی حیثیت سے حصّہ دار تھے، لیکن اس مرتبہ ہمین واسطہ سلاطین سے نہین پڑا تھا، نہ انسانی نسلون سے، بلکہ ایک قوم سے ادر واسطہ ہمین پڑا تھا، جو بذات خود کوئی قوم نہین "

اس کے بعد مصنف نے پوری تفصیل سے مغرب کی اس قومی سلطنت کے خصوصیات دکھائے ہین، جو ہندوستان پر مسلط ہوئی، جس کا مقصد یہ نہ تھا، کہ صرف ایک سلطان کے خزانون کی معموری کے لئے ملک کی دولت سمیٹی جائے، بلکہ یہ مقصد تھا کہ سات سمندر پار کی ایک پوری قوم پورے ملک ہند پر اس طرح حملہ آور ہو کہ اس کی زراعت معدنیات، پہاڑ، دریا، جنگل زمین کے طبقات اور ہر نوع کے پیداوار کو اپنے قبضہ مین کرلے، یہ صرف سلطان کی حکومت نہ تھی، بلکہ لوہارون، بڑھئیون، موچیون، کسانون، سپاہیون، سوداگرون، بنیون اور ہر قسم کے پیشہ ورون اور صناعون کی سلطنت ملک ہند پر تھی،

اس کا دوسرا فرق یہ تھا کہ پہلی سلطنتین زندہ رگون اور پٹھون والے انسانون کی حکومتین تھین جن مین انسانی ارادون سے محبت اور عداوت، رحم اور سنگدلی، مہر اور قہر بہ تبدیلیٔ حالات ظاہر ہوتے تھے، مگر مغربی قومیت کی یہ سلطنت ساری مشینی ہم آہنگی سے کام کرتی تھی، جس مین انسانی ارادہ فنا ہو کر دیا گیا، مشین اور محبت و عداوت، رحم و کرم، اور ظلم و ستم کے ہر جذبہ سے مبرّا ہو کر پوری سلطنت کے کاروبار کو حرکت دیتا ہے، یہ سیاسی و اقتصادی تنظیم جس کا دوسرا نام قوم ہے، جب بلند تر عمرانی زندگی کی ہم آہنگی کو مٹا کر ہمہ گیر غلبہ حاصل کر لیتی ہے، تو بقول مصنف انسانیت کے لئے اس سے بڑھ کر بربادی کوئی اور نہین ہوتا، جب ایک باپ قمار باز ہو جاتا ہے اور وہ فرائض جو بحیثیت باپ ہونے کے اپنے اہل و عیال کی جانب سے اس پر عائد ہوتے ہین اس کے ذہن مین ثانوی جگہ حاصل کر لیتے ہین، تو اس وقت وہ انسان نہین رہتا بلکہ ایک خود حرکی آلہ (Automaton) بن جاتا ہے، جسے لالچ کی طاقت چلاتی ہے،

صنعت کی مشینی ترقی، سائنس کی ایجادات، نقل و حمل، اور آمد و رفت کی تیز رفتار تدابیر، اور فرمانروا قوم کی ہمہ گیر تنظیمی طاقت محکوم قوم کے سارے عناصر اور اجزاء کو اپنے دباؤ مین اس طرح لئے ہوئے ہے، کہ اس کی گرفت سے آزادی ممکن نہین،

مصنف نے اس مغربی قومیت کے جو خصائص اور اس کی قومی حکومت کے جو اثرات اور نتائج دکھائے ہین، اُن کی پوری تفصیل اصل کتاب مین آئے گی، بہرحال یہ کتاب آج سے تیس برس پہلے لکھی گئی تھی، اس عرصہ مین اس مغربی قوم کی گرفت اس ملک سے ڈھیلی ہو کر بالکل ہٹ گئی، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مغربی قوم کے بجائے جو ہندوستانی قوم اب سلطنت کی مسند پر حکمران ہو جاتی ہے، وہ کس پر دانہ پر حکومت کرے گی، ہندوستان مین اس وقت کانگریس پارٹی سوشیالسٹ اور کمیونسٹ اور بعض دوسری جماعتین جو اس سلطنت کی تنظیم مین حصہ لے رہی ہین، یا حصہ لینا چاہتی ہین، وہ جاندار انسانون کی حکومت بناتی ہین، یا بیجان مشینون کی؟ اس کا جواب مستقبل دے گا،

مصنف کا دوسرا مقالہ جاپان مین قومیت پر ہے، مصنف کو جاپان سے یک گونہ شغف بھی تھا، اس کو جاپان کے مشرق سے آفتاب نکلتا ہوا، اور اسی سمندر مین ڈوبتا ہوا نظر آتا تھا، جاپان ایشیا کا وہ ملک ہے، جس نے سب سے پہلے اپنی بیداری کا ثبوت دیا، جس نے یورپ کی صنعت و حرفت اور مادی ترقیون کے ساتھ ساتھ نہ صرف اس کی جنگی اور حربی قوت کو بھی حاصل کیا، بلکہ یورپ کی مستعمرانی حرص و ہوس کی بھی پوری نقل کی، مصنف کی چشم بصیرت نے اس کا اندازہ پہلے ہی سے کر لیا تھا، اس لئے جاپان کی قومی تعمیر کے عناصر مین یورپ کے جو مضر اثرات اس کو نظر آئے، اُن کی طرف جاپان کے لوگون کو متوجہ کیا، افسوس ہے کہ چین پر جاپان کے حملہ اور گزشتہ جنگ عظیم مین مصنف زندہ نہ تھا، ورنہ وہ دیکھتا کہ جن خطرون سے اُس نے جاپان کو آگاہ کیا تھا، وہ کل کے کل اس کو پیش آئے، اور مصنف کی یہ تنبیہ اُن کے کوئی کام نہ آئی، وجہ یہ ہے، کہ یہ مادی ترقی اور ظاہری تفوق، قومی خود غرضی کے وہ لوازم ہین جو اُسے

کبھی الگ نہین ہو سکتے، آیندہ خدا ہی جانتا ہے، کہ امریکہ کی جبری تعلیم جاپان کی زندگی کا رُخ کدھر کو پھیری

تیسرا مقالہ ہندوستان مین قومیت پر ہے، یہ بالکل واقعہ ہے، کہ اس ملک کی اکثریت جس کا جدید نام ہندو قوم ہے، تمام تاریخ کے ہر دور مین وسیع مفہوم کی قومیت سے عاری رہی ہے، یہ خاندانون اور نسلون اور خاندانی اور نسلی خداؤن مذہبون اور رسم ورواج مین ہمیشہ جکڑی رہی ہے، اس نے دوسرے خاندانون اور نسلون اور قومون اور رسمون سے ہمیشہ نفرت کی ہے، جس کا دوسرا نام چھوت چھات ہے، اس کی الگ تھلگ زندگ
نے اوس کو دنیا کی دوسری قومون سے ہمیشہ دور رکھا، اور اس کا اپنا وسیع ملک ہی اس کی جنگ وجدل فتح وشکست اور عروج وزوال کے لئے کافی رہا، اس ملک کے تمام مصلح بودھ سے لے کر گاندھی جی تک اس قوم کی اس شخصیت سے لڑتے رہے، مگر اُن کو دیرپا کامیابی حاصل نہین ہوئی، بودھ کی تعلیم نے بھی ایک زمانہ مین ہندوستان کو دنیا کا ایک ملک بنا دیا، اور اس کا تعلق دنیا کی ساری قومون سے جوڑ دیا لیکن بالآخر برہمنی رجعت پسندی نے اس کا خاتمہ کر دیا، اب اس زمانہ مین گاندھی جی کی تعلیم سے جو اثر پیدا اس کا انجام گاندھی جی کی حسرتناک موت سے ظاہر ہے، لیکن بہرحال گاندھی جی کے اثرات کے علاو موجودہ مغربی تعلیم کے اثرات نے بھی ہندوستان پر کم اثر نہین ڈالا ہے، اور اس مغربی قومیت کا اث ہندوستان کی اکثریت مین نمایان ہے، لیکن ڈر اس کا ہے کہ یورپ کی طرح یہ تنگ نیشنلزم جارحانہ صو اختیار نہ کرلے، اور چھوت چھات والی نفرت مغربی وضع کی تنگ جارحانہ قومیت کے رنگ مین نہ ظاہر

مصنف نے "ہندوستان مین قومیت" کا یہ مقالہ امریکہ مین پڑھا تھا جس مین ہندوستانی اور امریکی شامل تھے اور اسی تقریب سے اہلِ امریکہ کو یورپ کی جارحانہ قومیت کے مفہوم سے ہشیار اور ہندوستان کو مستقبل کے خطرہ سے خبردار

جس زمانہ مین یہ مقالہ لکھا گیا تھا (۱۹۱۶ء) کانگریس با اقتدار جماعت نہ تھی، اور وہ چند اصلاح کے سوا کچھ اور نہین چاہتی تھی، اس لئے اس مقالہ مین کانگریس کی تعمیری حیثیت کا جس کا اضافہ گاندھی کے عہد مین ہوا، مصنف نے انکار کیا ہے، اور بتایا ہے، اور حکیمانہ نقطۂ نظر سے بالکل صحیح بتایا ہے کہ

کی اصلی کمزوری سیاسی نہین بلکہ عمرانی ہے، مصنف کا یہ خیال صحیح ہے، کہ اگر ہندوستان کو سیاسی آزادی حاصل بھی ہو جائے، لیکن اس کو عمرانی آزادی حاصل نہ ہو، تو وہ تباہ ہو جائے گا، یہی وہ خطرہ تھا جس کے ازالہ کے لئے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد گاندھی جی ہمہ تن کوشان تھے، اور جس کی راہ مین اونھون نے جان دی،

مصنف کے اس مقالہ کا ایک پارہ یہان نقل کرنے کے لائق ہے،

"ہندوستان اپنے رقبہ مین بہت وسیع اور اس مین بسنے والی نسلین بہت مختلف ہین، یہ ایک جغرافیائی ظرف ہے، جس مین کئی ملک بھر دیئے گئے ہین، یہ یورپ کے بالکل ضد ہے، جو صحیح معنی مین ایک ملک ہے، لیکن اسے کئی ملکون کی صورت مین تقسیم کر دیا گیا ہے، اس لئے یورپ کے تہذیب وتمدن اور ارتقا مین نہ صرف کئی ملکون کی قومین انفرادی حیثیت سے اس کی معاون ہوئین، بلکہ اجتماعی حیثیت سے بھی، اس کے برعکس ہندوستان قدرتی اعتبار سے کئی لیکن بظاہر ایک ملک ہوتے ہوئے شدید فطری اختلاف وتباین اور ناکافی ارتباط کے باعث ہمیشہ نقصان اٹھاتا رہا ہے"

میرے نزدیک ہندوستان کی اس بیماری کا صحیح علاج اس تباین واختلاف کو بزور مٹانا نہین بلکہ اس کا کھلے دل سے اعتراف کر لینا ہے، اور اس کو باقی وقائم بلکہ محفوظ رکھنے کا عہد کرنا ہے، بقول مصنف کے، امریکہ اور اسٹریلیا نے اپنے اس مسئلہ کو اس طرح آسان بنایا، کہ انھون نے اصل باشندون کو فنا کر دیا، لیکن ہندوستان کی نسبت مصنف کا خیال ہے، کہ اس نے شروع ہی سے نسلی فرق کو برداشت کیا، اور اس رواداری کی روح اس کی تاریخ پر اثر انداز ہوتی رہی ہے۔

مصنف کا یہ بیان سچ ہے کہ ہندوستان نے نسلی فرق کو برداشت کیا، یعنی تلوار کے زور سے اس کو فنا نہین کیا، لیکن یہ بھی درست ہے کہ اوس نے غیر آریون کو زندہ تو رہنے دیا، لیکن زندہ درگور بنا کر رکھا

جس کے معنی یہ ہیں کہ تلوار کے بجائے عمران و اجتماع و معاشرت کی تلوار سے ڈرا ڈرا کر ان کو پہاڑوں جنگلوں کھوؤں اور سنسان میدانوں میں ہٹ جانے پر مجبور کیا، یہاں تک کہ آج ان قوموں کا قوم کے لحاظ سے پتہ بھی نہیں، بودھ ہندوستان میں پیدا ہوئے، لیکن ان کے ماننے والے جو کبھی سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے، جیسا کہ ان کی یادگاریں ظاہر کرتی ہیں، آج ہندوستان میں وہ بحیثیت قوم یا مذہب کے کہیں موجود نہیں،

ایک بڑے خطرے کی چیز یہ ہے کہ ہندو قوم کی چھوت چھات کی بیماری اس زمانہ میں مغربی جاہلانہ تنگ قومیت کی نئی شکل اختیار نہ کرے، جو اپنے باشندوں کو مجبور کرے، کہ وہ ایک قومیت اور تنہا ایک قومیت کے مظاہر اختیار کریں، ان کی ایک ہی ریاست ہو، ان کی ایک ہی بولی ہو، ان کی ایک ہی معاشرت ہو، ان کا ایک ہی طرز تخیل ہو، اور ایک ہی ظاہری شکل و صورت اور لباس ہو، جس کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان کی ساری نسلوں کو ایک ہی قوم بننے پر مجبور کیا جائے، جس کی طرف میلان آزادی کے بعد روز بروز بڑھتا جاتا ہے، کیونکہ آزادی کے بعد نظریہ کو قوت سے فعل میں لانے کی طاقت اس کے ہاتھ میں آگئی ہے، لیکن یہ ہندوستان کے حق میں بڑی غلطی ہوگی، غالباً ۱۹۳۶ء میں جب کانگریس نے پہلی دفعہ اپنی وزارت بنائی تھی، ہندوستان کے اس میلان کو دیکھ کر میں نے مدینہ میں ایک مضمون لکھا تھا، کہ ہندوستان کی بقا ہندوستان کی "قومیت متحدہ" کے نظریہ میں نہیں، بلکہ ہندوستان کی اقوام مختلفہ کی جمہوریہ متحدہ کے نظریہ میں ہے، جیسا کہ آج روس میں نظر آرہا ہے، کہ وہ متعدد قوموں اور نسلوں اور زبانوں کا مجموعہ ہو کر اقوام مختلفہ کی جمہوریہ متحدہ کی صورت میں قائم ہے، اسی طرح ہندوستان کی مختلف ریاستوں کو ایک ریاست مختلف قوموں کو ایک قوم، مختلف زبانوں کو ایک زبان، مختلف تمدنوں کو ایک تمدن اور مختلف نسلوں کو ایک نسل بنانے یا بنا کر دکھانے کی کوشش چھوڑ دی جائے، اور یہاں کے سارے باشندوں کو اپنی قومیت، اپنے تمدن، اپنی زبان اور اپنی تہذیب کی ترقی اور نشوونما کے لئے پوری آزادی بخشی جائے، البتہ

تنظیمی وحدت کے ایک رشتہ میں ان کو پرو لیا جائے،

مصنف کا یہ مجموعہ ایک نظم پر تمام ہوا ہے، جس میں گذشتہ صدی کے آفتاب کے غروب اور نئی صدی کے طلوع پر شاعر نے اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں، اور امن و سلامتی کو قناعت اور سادگی کے سایہ میں بڑھنے کی دعوت دی گئی ہے،

مصنف کا یہ مجموعہ نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ میں بڑی دلچسپی اور دلآویزی کے ساتھ پڑھا گیا، اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان کے مشہور ادیب رومین رولاں نے اپنی زبان میں کیا، خوشی ہے کہ اب اس کا ترجمہ اردو میں پیش کیا جا رہا ہے، اس ترجمہ کو میں نے جابجا سے پڑھا، اور مجھے محسوس ہوا کہ مترجم اپنے ترجمہ میں کامیاب ہے، خیالات کی بلندی اور شاعرانہ زور بیان کے سبب سے ترجمہ آسان نہ تھا، لیکن مترجم نے اپنی قابلیت اور اہلیت سے ان سخت مرحلوں کو خوبی کے ساتھ طے کیا ہے، امید ہے کہ ناظرین خود بھی آیندہ صفحوں کو پڑھ کر مجھ سے اتفاق کریں گے، اور مترجم کو اس کی کامیاب محنت پر داد دیں گے،

نوائے حیات

اسلامی حکمرانون سے مسلمانون کی

ایک بے جا شکایت

از

مولینا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

سوچنے سے نہ کبھی منع کیا گیا، اور نہ منع کیا جاسکتا ہے، سوچنا اگر چھوڑ دے تو انسان، انسان ہی کب باقی رہتا ہے، اس کے بعد تو وہ زندہ جانورون کی بھیڑ مین شریک ہوجاتا ہے،

لیکن صحیح سوچ بچار یا فکر و نظر کو چاہئے کہ ہمیشہ واقعات کے تابع ہو، جان بوجھ کہ دلائل کو ایسے مقدمات سے مرتب کرنا جن مین قصداً بعض حقائق و واقعات سے چشم پوشی اختیار کی گئی ہو، دنیا کی ہر منطق اس قسم کے دلائل کو مسترد کرتی رہی ہے، اور کرتی رہے گی،

یورپ والے بیچارے تو ایک حد تک معذور بھی ہین، کیونکہ حقائق و واقعات کی صف مین صرف مخلوقات کو مان کر خالق کے وجود سے اپنے دل و دماغ کو انھون نے خالی کر لیا ہے، بقول اقبال مرحوم:-

پا بزندانِ مظاہر بستۂ — از حدودِ حس برون ناجستۂ

بھی اُن کی فکری تعمیر کی بنیادی اینٹ ہے..... یاظاهراً مِنَ الحیوۃِ الدُّنیا ہی مین الجھ کر جن کی دانائیان بڑھ بڑھ رہی ہون، ان سے اس کی توقع ہی کیون کی جائے، کہ اس "الاولیٰ" کے نئے "الآخرۃ" کا خیال بھی اُن کے سامنے آئے گا،

خداوندی کارفرمائیون سے قطع نظر کرکے اگر وہ سوچتے ہین، تو جن کے قلوب حق کی روشنی سے

محروم ہین، آپ ہی بتائیے، کہ آخر وہ اس کے سوا اور کیا کر سکتے تھے،

لیکن مجھے تعجب تو مسلمانون پر ہے، اُن لوگون پر ہے جنھون نے اب تک اس بیعت کو نہین توڑا ہے جو انھون نے اور اُن کے باپ دادون نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر کی تھی، وہ اپنے فکری و عملی نظام مین بھی اور عملی زندگی مین بھی اسی عہد و پیمان کے ساتھ جی رہے ہین، کہ اسی کو واقعہ یقین کرین گے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ قرار دیا ہے، اسی کو حقیقت تسلیم کرین گے، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باور کرایا ہے، کہ وہی حقیقت ہے، مگر جب تک سوچنے کی ضرورت محسوس نہین ہوتی، وہ بھی مانتے اور بھی جانتے ہین، لیکن حافظہ کی اس کمزوری کا کوئی علاج ہے، کہ جون ہی سوچنے اور سمجھنے کی کوئی مہم پیش آتی ہے، ضرورت ہوتی ہے کہ فکر و تامل سے کام لیا جائے، تو اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والون مین اکثرون کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح سوچنے لگے، جیسے حقائق و واقعات کے سلسلہ مین خدا کا انکار کرنے والا، یا نہ ماننے والا سوچتا ہو، اسباب و علل کے طویل و عریض زنجیرے کی ایک ایک کڑی پر اُن کی نظر پڑتی ہے، آگے پیچھے جو کچھ دیکھا جاسکتا ہو، دائین بائین جو کچھ سوچا جاسکتا ہے، سمجھا جاسکتا ہے، سب کو ٹٹولتے ہین، اور سب کو پرکھتے ہین، لیکن فکر و نظر کے اس عمل مین اُن کے حافظہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہی نکلا ہوا ہے، جس پر چاہئے تھا کہ سب سے پہلے نظر اُن کی پڑتی،

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ — خدا کی قدر جیسی چاہئے ہے انھوں نے نہ کی

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا — تم کو کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کے وقار اور وزن

[illegible]

اس لحاظ سے مین مسلمانون کے افکار و تعبیرات اور اُن سے نکالے ہوئے نتائج کا موازنہ حیران دماغون اور دلون کے افکار و نظریات کے نتائج سے کرتا ہون جن مین خدا اور خدائی کارفرمائیون کا کوئی وزن باقی نہین رہا ہے، تو دونون مین مجھے کسی قسم کا کوئی فرق اور امتیاز نظر نہین آتا،

اسی مسئلے کو دیکھئے جس کا اجمالی تذکرہ اس وقت کرنا چاہتا ہون، بعض عصری مصائب مین مبتلا ہوکر

مسلمانوں کی عمومیت مین ایک عام چرچا کچھ دنون سے جس کا پھیلا ہوا ہے یعنی گذشتہ اسلامی حکمرانون، اور فرمانرواؤن پر یہ الزام لگایا جاتا ہے، کہ باوجود اقتدار و اختیار کے انھون نے اپنے مقبوضہ و مفتوحہ ممالک مین غیر مسلم عناصر اور طبقات کو باقی رہنے کا موقع کیون عطا کیا، تعبیری رد و بدل کے ساتھ اسی مقصد کو کبھی ان الفاظ مین بھی ادا کیا جاتا ہے، کہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ مین بھی اسلامی سلاطین اور بادشاہون نے جتنی توجہ کرنی چاہئے تھی، نہ کی، مطلب کہنے والون کا یہ ہوتا ہے کہ غیر اسلامی قوتون کے ساتھ جس قسم کی مہیب کش مکش مین آج مسلمان اُلجھ گئے ہین، یہ صورت ہرگز نہ پیش آتی، اگر اپنے مطلق العنانہ اختیار و اقتدار سے ہمارے گذشتہ سلاطین و ملوک کام لیتے،

مین اسی عام چرچے کے متعلق اس وقت کچھ کہنا چاہتا ہون، یہ مسئلہ کہ غیر اسلامی عناصر سے پاک ہوجانے کے بعد جس بہشتی زندگی کا تصور موجودہ زمینی زندگی مین لوگ کر رہے ہین، اگرچہ بجائے خود غور طلب ہے، اور غور طلب کیا، حجاج بن یوسف اور ابو مسلم خراسانی، تیمور لنگ اور ان جیسے ظلمہ کے عہد مین جن تجربات سے مسلمانون کو گذرنا پڑا ہے، اُن کو جانتے ہوئے یہ توقع خود ہی سوچنا چاہئے کہان تک صحیح ہوسکتی ہے کہ مصائب کے جن ہولناک طوفان مین اس وقت وہ گھر گئے ہین، ان مین وہ نہ گھرتے، اگر ہمارے گذشتہ سلاطین و ملوک اپنے غیر مسئول اقتدار سے کام لے کر صرف مسلمانون کے لئے زمین کے ان خطون کو مختص کر دیتے جن مین وہ آج آباد اور پھیلے ہوئے ہین، اس بحث کو خیر جانے دیجئے، مین یہ پوچھنا چاہتا ہون، کہ سلاطین اسلام کے متعلق یہ عام شکایت جو مجلسوں مین کیجاتی ہے، شکایت کرنے والون کی اس سے آخر مراد کیا ہے ؟

کیا جبر اور زور سے اسلام کے قبول کرنے پر چاہتے ہین کہ ہمارے سلاطین لوگون کو مجبور کرتے اور اس جبر و اکراہ کے بعد بھی جو انکار پر اصرار کرتا، محض اس لئے کہ اُن سے زمین پر کوئی پوچھنے والی بالاتر قوت انسانی گروہون میں باقی نہین رہی تھی، اس لئے ان انکار کرنے والوں کا صفایا کر دیا جاتا،

اسلام کو خدائی دین ماننے والون کو سوچنا چاہئے کہ کیا اس خیال کی گنجایش کسی حیثیت سے بھی اُن کے قلب مین پیدا ہوسکتی ہے ؟ اسلامی سلاطین تو بیچارے جاچکے، آج بھی مین مسلمانون سے پوچھتا ہون کہ خود اسلام نے اُن کے اندر اس خیال کے لئے کوئی جگہ کیا باقی رکھی ہے، پھر وہ ایسی باتین کیون بولتے ہین جنھین وہ خود سوچ بھی نہین سکتے،

خود ہی بتائیے کہ جبراً کسی کو اسلام کے قبول کرنے پر آمادہ کرنا کیا یہ اسلام کے قبول کرنے کا علاج ہوگا، یا یہ کفر کی بدترین قسم نفاق پر مجبور کرنے کی عملی تدبیر ہوگی ؟ مین نہین جانتا کہ کافر ہی نہین، بلکہ منافق بنانے کی اس قسم کی سرانجامی کی صلاحیت باوجود مسلمان ہونے کے کوئی اپنے اندر کیسے رکھ سکتا ہے، ایا ہم مین ایسا کون ہے، جو کسی کو کافر بننے پر مجبور کرنے کی ہمت کرسکتا ہو، پھر منافق کا مقام تو کافر سے بھی نیچے ہے، ہم جب کسی کو کافر بننے پر مجبور نہین کرسکتے ہین تو منافق بننے پر بتایا جائے کہ کیسے جبر کرسکتے تھے، یا آج کرسکتے ہین ؟

رہ گیا نہ ماننے والون کا صفایا یہ سچ ہے کہ جن کی فکری تجویزون مین خدا اور خدائی تعلیمات شریک نہین ہین، جب ضرورت پیش آتی ہے تو وہ اس قسم کے اعمال کے ارتکاب کی جسارت کرگزرتے ہین، ان کے اگلون نے بھی اس پر عمل کیا ہے، اور اُن کے جو پچھلے ہین، اپنے اگلون کے ان سیاہ اعمال کو سلسلۂ زرین کارنامون مین شریک کرکے ایسی حرکتین اب بھی کررہے ہین، اُن کے بڑے چھوٹون کو اس قسم کے قصے مزے لے لے کر سناتے ہین اکڑ اکڑ بڑے افتخار کر فلان مذہب والون کو فلان ملک سے ہم نے ختم کر دیا، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول جن بادشاہون نے مانا تھا، میری سمجھ مین نہین آتا، کہ ان غریب بادشاہون سے توقع کرنے والے صفایا کے اس عمل کی توقع آخر کس بنیاد پر کر رہے ہین ؟

پکار رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن ارقم صحابی کو اور پکار پکار کر فرما رہے تھے جب وہ کچھ دور جاچکے تھے، کہ دیکھنا! خبردار! خبردار! جن لوگون سے امن کا عہد کرلیا گیا ہے، اُن پر ہرگز

ہرگز ظلم نہ ہونے پائے، دیکھو اُن کی برداشت اور تحمل سے زیادہ اُن پر بار نہ ڈالا جائے، اور اُن کی رضامندی کے بغیر اُن کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے،

خبردار جو ایسا کرے گا،

فانا حجیجه یوم القیامة[۱] — مین اس پر قیامت کے دن دعویٰ کرونگا اور اس سے لڑون گا،

یہی مین پوچھنا چاہتا ہون کہ حق تعالیٰ کی آخری عدالت مین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مدعیٰ علیہ بن کر پیش ہونے کی طاقت کیا مسلمانون کے بادشاہون مین تھی، مین مانتا ہون کہ وہ معصوم نہ تھے، اُن مین ایسے بھی گذرے جن پر اسلام کی طرف سے بہت الزامات عائد ہو سکتے ہین، اور بہتوں کے فرد ہائے جرم کی فہرست بہت طویل ہے، لیکن یہ سب کچھ سہی پر جو جرم ایسا ہو کہ خود پیغمبر نے مدعی بن کر اُس کے مقابلہ مین کھڑے ہو جانے کی دھمکی دی ہو، سوچنے کی بات ہے، کہ اس نظارے کے برداشت کی تاب بتایا جائے کہ آخر ان بیچارون مین کیسے پیدا ہوتی ؟

اسلامی حکومت کے نظام کو عملی قالب مین ڈھال کر پیش کرنے والے فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سانس اکھڑ رہی ہے اور اکھڑی ہوئی سانسون ہچکیون مین ان کی یہ آواز کانون مین گونج رہی ہے،

"جن غیر مسلمون کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لی ہے، اُن کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہون، اُن سے جو عہد کیا گیا ہے، اس کو پورا کیا جائے، ان کی حفاظت کے لئے مسلمانون کا فرض ہے کہ ان پر حملہ کرنے والون سے جنگ کرین، اور جس بار کو وہ برداشت نہ کر سکتے ہون، ہرگز ایسا بوجھ اُن پر ڈالا جائے"،

---

[۱] ابوداؤد مین اس حدیث کے الفاظ یہی ہین، طبرانی مین ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر مین دعویٰ کرون گا، اسے ہارنا پڑے گا، (کنز العمال ص ۲۰۵ ج ۲)

آپ کو اس کا افسوس ہو گا کہ اُن کا صفایا کیون نہ کر دیا گیا، اور یہان حکم یہ دیا گیا ہے، کہ

"جب تک اسلامی قلمرو مین وہ مقیم ہون، اس وقت تک اسلامی بیت المال سے ان کے معذورون اور مجبورون اور ان کے بال بچون کی پرورش کی جائے"

قاضی ابو یوسف کے الفاظ یہ ہین کہ

عیل من بیت مال المسلمین وعیاله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام (کتاب الخراج ۱۴۴)	اسلامی قلمرو کے غیر مسلم لوگون مین جو معذور ہون ان کے مصارف کا بار اسلامی بیت المال برداشت کرے اُن کا بھی اور اُن کے اہل عیال کا بھی جب تک دار الہجرۃ اور اسلامی قلمرو مین وہ مقیم رہین گے،

قرآنی آیت جس مین "الصدقات" کے مصارف بتائے گئے ہین، اسی کی تفسیر کرتے ہوئے فاروق اعظم نے فرمایا تھا کہ

الفقراء هم المسلمون وهذا من المساکین، (کتاب الخراج ص ۱۲۶)	فقراء سے مراد تو مسلمانون کے محتاج لوگ ہین، مساکین سے مراد غیر مسلمون کا وہ طبقہ ہے اسلامی حکومت نے جس کی ذمہ داری لی ہو اور وہ کمانے کے قابل نہ رہا،

اور جان و مال تو خیر بڑی چیزین ہین، آپ کو اسلامی قانون کے دفعات کا علم ہوتا، تو یہ بات بھی آپ کے علم مین آتی، کہ اسلامی قلمرو مین رہنے والے غیر مسلم باشندون کی عزت و آبرو تک کے متعلق یہ حکم ہے کہ جیسے کسی مسلمان کی ہجو حرام اور ناجائز ہے، اُسی طرح حرام ہے، کہ کسی غیر مسلم باشندے کی ہجو مین کوئی لفظ منہ سے نکالا جائے، فقہاء نے لکھا ہے کہ

والھجاء لمسلم او ذمی،

مسلمان یا غیر مسلم باشندے کی ہجو گوئی بھی حرام ہے،

(شرح ہدایہ جلد، ص ۳۶)

اور صرف زندگی ہی کی حد تک احترام کا یہ قانون محدود نہین ہے، بلکہ

عظامھم لھا حرمۃ اذا وجدت فی قبورھم کحرمۃ عظام المسلمین حتی لا تکسر لان الذمی لما حرم ایذاؤہ فی حیاتہ لذمتہ فتجب صیانۃ عظمہ عن الکسر بعد موتہ،

(بحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۰)

اسلامی قلمرو کے غیر مسلم باشندون کی ہڈیون کا بھی احترام کرنا چاہئے اگر ان کی قبرین وہ پائی جائین، اسی طرح احترام کرنا چاہئے، جیسے مسلمانون کے مردون کی ہڈیون کا احترام کیا جاتا ہے، چاہئے کہ غیر مسلم (مردون) کی ہڈیون کو توڑا نہ جائے، کیونکہ اسلامی حکومت نے جس غیر مسلم کی ذمہ داری لی ہے جیسے زندگی مین اُس کو دکھ دینا حرام ہے اسی طرح واجب ہے، کہ مرنے کے بعد بھی اس کی ہڈی کو توڑنے کی اہانت سے بچایا جا،

بس واقعہ وہی ہے کہ خدا کو درمیان سے نکال کر سوچنے والے جب سوچین گے تو اسی قسم کے ناقص ادھورے افکار اُن کے دماغ مین آئین گے، لیکن جو خدا کو مانتا ہے، خدا کی نگرانیون پر یقین رکھتا ہے، وہ بہرحال قومون کے ساتھ انصاف کرے گا، خواہ وہ ظلم کے کسی نقطہ تک چڑھکر نہ پہنچ جائین، ظالم خود تباہ نہین ہوتا، خدا اسے تباہ کرتا ہے، اور انصاف وعدالت خود کامیاب نہین ہوگی خدا اس کی پشت پناہی کرتا ہے،

جن دماغون اور دلون کی تربیت قرآنی منطق کے زیر اثر ہوتی ہے، وہ یہی سمجھتے ہین، حق و انصاف صداقت وعدالت خواہ بجائے خود جیسے قیمتی صفات بھی ہون لیکن ان بے جان اور بے روح اضافی صفات کو اعتماد اور بھروسہ کی آخری چٹان وہ کسی طرح نہین بنا سکتے، بلکہ اُن کی نظر ہمیشہ اس ہمہ شنوائی ہمہ بینائی جیتی، جاگتی، حی وقیوم ذات پر جمی رہتی ہے، جس کی حمایت اور نصرت کی دستگیریون کو مظلومون اور ستم دیدون نے ہمیشہ اپنے سامنے بے حجاب پایا ہے، ایمانی بصیرت کی اسی روشنی کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ عہد وپیمان کے تعقون مین ذہنی مخفوظات کی عصری آلودگیوں کو اُن کی فطرت قطعاً برداشت نہین کر سکتی، نہ خود اس قسم کی گندگیون کو اپنے دماغ کے کسی گوشہ مین چھپا رکھنے کو وہ جائز سمجھتے ہین اور چاہتے ہین کہ معاہدہ کے دوسرے فریق کا دامن بھی ذہنی مخفوظات کی ناپاکیون سے پاک ہو، زبان سے جو کچھ کہا گیا، یا قلم سے جو کچھ لکھا گیا، ہم اُسی کی پابندی کرین گے،[1] اس پر اتنا اصرار کیا گیا ہے کہ زبان یا اصطلاح ومحاورہ یا کسی دوسری وجہ سے مطلب سمجھے بغیر اگر معاہدے کو فریق نے تسلیم کر لیا ہو تو اس صورت مین بھی مسلمانون سے اُن کے دین کا مطالبہ ہے، کہ بہرحال اُن کو چاہئے کہ الفاظ کا جو اقتضاء ہو اسی کو پورا کرین، غیر مسلم اقوام سے "قانون معاہدہ" کے دفعات کی تفصیل کرتے ہوئے شمس الائمہ سرخسی نے سیر کبیر مین ایک دفعہ یہ بھی درج کی ہے،

اَنَّھُمْ اِذَا لَمْ یَفْھَمُوْا فَاِنَّمَا ذٰلِکَ لِمَعْنیً مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ حَیْثُ نَادُوْھُمْ بِلُغَةٍ لَا یَعْرِفُوْنَھَا فَلَا یُبْطِلُ حُکْمَ الْاَمَانِ فِیْ حَقِّھِمْ

(جلد ۳ صفحہ ۱۹ سیر کبیر)

[illegible]

معاہدے کے غیر مسلم فریق کی سمجھ مین بات اگر نہ آئی تو یہ کوتاہی مسلمانون کی طرف ہوئی کہ انھون نے ایسی زبان مین ان کو خطاب کیا جسے وہ نہین جانتے تھے، پس معاہدے کے الفاظ کے رو سے جس امن کے وہ مستحق ہو

---

[1] حدیث کی عام کتابون مین یہ روایت پائی جاتی ہے، کہ ایرانی علاقے کے بعض سپہ سالارون کے نام حضرت

اسی موقع پر انھون نے یہ بھی لکھا ہے کہ غدر یعنی عہد شکنی ہی نہین، بلکہ

التحرز عن صورۃ الغدر عہد شکنی کی ظاہری شکل وصورت سے بھی

واجب ہر مسلمانون کے لئے واجب ہے،

فراخ دلی، بلند نظری، علو حوصلہ کے یہ جذبات کیا ان لوگون مین پیدا ہو سکتے ہین، جو حق و صداقت، عدالت و انصاف کا رشتہ خدائے قادر و توانا سے توڑ کر یہ باور کراتے پھرتے ہین، کہ اُن کی کامیابیون کی ضمانت حق وصداقت، عدالت و انصاف کے اُن ہی الفاظ اور صرف الفاظ مین پوشیدہ ہے، ایسے الفاظ جن کے معانی کا صحیح تصور خود ان باور کرانے والون کے دماغون مین بھی پوچھنے کے بعد بسا اوقات پتہ چلتا ہے، کہ نہین پایا جاتا، کیا الفاظ نرے ان الفاظ سے آدمی کی عقلی فطرت مین زور بھرا جا سکتا ہے؛؟

کہنے والے جب کہتے ہین کہ سچائی ہمارے ساتھ ہے، اس لئے ہماری کامیابی یقینی ہے تو اُسی وقت کیا وہ یہ بھی نہین سوچتے، کہ سچائی کوئی مست ہاتھی نہین ہے، جو دشمن کی صفون مین گھس کر اُس کی فوج اور فوج کے سپاہیون کو اپنے پاؤن کے نیچے مسل ڈالے گا، یقیناً وہ جانتے ہین، کہ حق و صداقت کے الفاظ جو بھری بم نہین ہین، جسے اٹھا کر وہ باطل پرستون اور جھوٹ کے حامیون پر دے ماریں گے، اور یون فتح مند و بامراد ہو کر میدان جنگ سے واپس لوٹین گے؛

مگر کیا کیجئے کہ حق وصداقت کا جو واقعی پشت پناہ اور عدالت و انصاف کا آخری سرپرست، ماوٰی و ملجا ہے، اسی زندہ و خبیر و بصیر خدا بلکہ اس کے خیال تک سے یہ خود بھڑکتے ہین، اور دوسرون کو بھڑکاتے ہین، احتیاط کرتے ہین کہ بات چیت یا عام تقریر و گفتگو مین بھی قرون وسطیٰ کی اس فرسودہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۱) عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ گشتی فرمان پہنچا کہ مترس (مت ڈر) کے فارسی لفظ کے کہدینے کے بعد کسی غیر مسلم پر اگر کوئی مسلمان سپاہی ہاتھ چھوڑے گا، تو مین اس کی گردن اڑا دون گا،

(جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۲ بحوالہ مالک)

یادگار کا ذکر بیسوین صدی کی ترقی یافتہ شایستہ مجلسون مین نہ آنے پائے، وہ اپنے اسی ارحم الراحمین مالک و خالق سے روٹھے ہوئے ہین، پھر یہ کیا عجیب تماشا ہے، کہ جہان قوت تھی، بلکہ اس کے سوا جہان کہین بھی قوت و طاقت کی نمایش کسی حیثیت سے بھی ہو رہی ہے، سب کا آخری سرچشمہ طاقت کا وہی آخری خزانہ ہے، اس سے بھاگ کر بے جان صفات بلکہ ان بے جان صفات پر دلالت کرنے والے حق و صداقت کے الفاظ کی پناہ ڈھونڈھنے پر آج یہ مجبور نظر آتے ہین، صفاتی تماثیل کی پوجنے والی قدیم قومون اور ان ہی صفات پر دلالت کرنے والے لفظی پیکرون کے ان نئے پجاریون مین بتایا جائے کہ آخر کیا فرق ہے لِمَ تَعْبُدُ مَالَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ؕ

دوسرون کے متعلق تو مین نہین کہتا، لیکن میرا ذاتی حال تو یہ ہے کہ ان خدا بیزارون سے جب کبھی ایسی باتین سنتا ہون مثلاً ان ہی مین بعض کہنے والے بے دھڑک کہہ اٹھتے ہین، کہ مین فطرۃً رجائی پیدا ہوا ہون رجائیت کے سوا میرے دل پر کبھی کسی دوسرے پہلو کا خطرہ بھی نہین گذرا، قنوطیت (ناامیدی اور یاسیت) کے تصور کی بھی اپنے اندر گنجایش نہین پاتا، امید پرورون کی ان باتون یا اس قسم کی دوسری ادعائی لن ترانیون کو جب کبھی مین نے سُنا تو بے ساختہ میرا ذہن ان لڑ پڑنے والی عورتون کی طرف عموماً منتقل ہو جاتا ہے، جو غضبناک ہو کر اپنی پڑوسنون کے متعلق کن فیکونی فرامین جاری کرنے مین کبھی مشغول ہو جاتی ہین، کسی کو پاؤن گوڑے سے محروم کر دینے کا فیصلہ صرف ایک لفظ "نگوڑے" سے اور کسی کے دھڑ سے سر یا (منڈی) کے اتر جانے کا حکم فقط "منڈی کاٹے" کے تلفظ سے کر کے شاید یہ باور کر لیتی ہین کہ واقعی قدرت کا قانون بجائے قدرت والے کے ان عورتون ہی کے ہاتھون مین دے دیا گیا ہے، اسی لئے وہی ہو بھی جاتا ہے، جو کچھ یہ کہتی ہین، یا کہہ بیٹھتی ہین،[1]

[1] عورتون کو اُن کی چند خصوصی نسوانی کمزوریون کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ایک کمزوری کی تعبیر کثرت اللعن

مین پوچھتا ہون کہ رجائیت اور امید پروری کے جذبات کے تسلط کا ڈھنڈورا پیٹنے والے اس کے سوا اور کیا باور کرانا چاہتے ہین، کہ وہی ہوکر رہے گا اور ہمیشہ وہی ہوتا رہا، یا ہوکر رہا ہے، جو ہم سوچتے رہے، یا جس کی آرزو وہم پکاتے رہے، دوسرے الفاظ مین اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہوا، کہ قدرت کے قوانینِ قدرت کے قبضۂ اقتدار مین نہین، بلکہ ہر اس شخص کے ہاتھ مین ہین، جس نے اعلان کر دیا ہو، کہ مین رجائی یا رجائیت پرست واقع ہوا ہون،

عہدِ حاضر کے درحقیقت یہی عقلی مغالطے اور ذہنی ژولیدگیان ہین، جن مین الجھ کر اس زمانہ کا انسان ان بلند حوصلون سے محروم ہو گیا ہے، جن کے بل بوتے پر وہی کیا جاتا تھا، جو کہا جاتا تھا، بات کے دھنی اب جو پیدا نہین ہوتے، چھوٹے ہی نہین، بڑائی کے بلند سے بلند منارون پر آج جو چڑھے نظر آرہے ہین، ان تک کا یہی حال ہے کہ فریق مخالف زبان یا محاورے اصطلاحات وغیرہ کی ناواقفیت کی وجہ سے الفاظ کے جس مطلب کو نہین سمجھ سکا ہے، اُن کے اقتضاء کو تو یہ کیا پورا کرین گے، آئے دن یہ دیکھا جا رہا ہے کہ طے کرنے کے بعد جن فقرون کے مقاصد و اغراض و معانی کے متعلق دو رایون کی بھی گنجایش کسی حیثیت سے نہین نکل سکتی، ان پر بھی اُن کی قلبی کمزوریان ان کو جمنے نہین دیتین، مستقبل کا ابہام ہمیشہ ان کو ہول دل مین مبتلا رکھتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ معاہدہ کی مجلسون سے نکلنے بھی نہیں پاتے، کہ الفاظ کے الٹ پھیر سے نفع اٹھانے کی تدبیرون کو سوچنے لگتے ہین، پھر ذہنی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۳) کے الفاظ سے رسالتمآب صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ نے جو فرمائی ہے، میرا خیال یہی ہے کہ کوسنے کی عام عادت عورتون مین جو پائی جاتی ہے، غالباً یہ اسی کی طرف شاید اشارہ ہے، مردون مین یہ عادت کم پائی جاتی ہو اہمیت عورتون کی اس بڑی عادت مین اسی لئے پیدا ہو گئی ہے، کہ قانونِ قدرت کو بجائے قدرت کے گویا اپنے ہاتھ مین لینا ہو، مگر عہدِ حاضر کے رجائی دعوے یا اسی نوعیت کے دوسرے بے سروپا بڑے بولون کا مطلب نہان تحلیل و تجزیہ کے بعد خود سوچئے کہ اس مین اور مذکورہ بالا نسوانی کمزوری کے مآل و حاصل مین کوئی زیادہ فرق ہے، ؟ ۱۲

کرتبون سے کام لے لے کر الفاظ کو معانی سے معانی کو الفاظ سے بےگانہ بنانے کی ممکنہ کوششون مین دیکھے جاتے کہ یہ منہمک و مشغول ہین، وہ باتین بناتے ہین، منہ زوریون سے کام لیتے ہین، چیختے چلاتے ہین، بظاہر تو یہ خیال کرتے ہین کہ حقائق و واقعات کے ساتھ وہ تمسخر کر رہے ہین، مگر شاید اُن کو یہ محسوس نہین ہو رہا، کہ حقائق و واقعات ہی نے اُن کو اپنا مسخرہ بنا رکھا ہے،

سچی بات تو یہ ہے کہ انسانیت کی ذہنی تنظیم مین آج جس بودی اور بھپھسی قوتون سے کام لینے والے کام لے رہے ہین، اس کا آخری انجام اور لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا، وہی ہو کر رہا،

خیال تو کیجئے کہ خدا سے ڈرنے کے لئے انسانی فطرت مین ضمیر یا کانشنس کے احساس کا جو کانٹا چبھا دیا گیا ہے، بجائے خدا کے اسی غریب ضمیر اور ضمیر کی بےکس آواز کے ڈر ہی کو اگر کافی قرار دیا جائے یا پیدا کرتے ہوئے خالق کے آگے اس کی بخشی ہوئی قوتون، اور قوتون کے اعمال و نتائج کی جوابدہی کی ذمہ داری کی جو کھٹک آدمی اپنے اندر پاتا ہے، بجائے خالق کے اگر یہ سمجھایا جائے، جیسا کہ اس زمانے مین عموماً سمجھانے والے یہی سمجھا بھی رہے ہین، کہ جس سے ہم پیدا ہوئے ہین، یا جس نے ہمین پیدا کیا ہے، اُس کے آگے نہین، بلکہ آیندہ نسلین خود ہم سے جو پیدا ہونے والی ہین، اُن کے آگے چاہئے کہ جوابدہی کی ذمہ داری کو ہم اپنے اندر پیدا کرین، تو خدا جس کے ہاتھ مین ہماری زندگی بھی ہے، اور موت بھی اس سے نڈر بن جانے اور بنا دئیے جانے کے بعد کیا واقعی اس مسکین ضمیر کی ڈک سے یہ آدم زاد ڈر جائے گا، ؟ وہی مسکین لاوارث ضمیر جس کا گلا جب اور جس وقت ہمارا جی چاہے، خود گھونٹ کر رکھ دے سکتے ہین، بلکہ بسا اوقات گھونٹ کر رکھ دیتے ہین،

یا جس کا دیا ہوا سب کچھ ہے، اس کی بخشی ہوئی نعمتون اور عطا فرمودہ قوتون کے استعمال مین خود بخشنے والے اور دینے والے کے سامنے تو جوابدہی کا خیال صرف خیال ہے، یہ باور کراتے ہوئے سوچئے کہ بازپرس اور جوابدہی کی یہ دھمکی کیا نتیجہ خیز دھمکی ہو سکتی ہے، کہ اگلی نسلون کو ان ہی سے

پیدا ہونے والی پچھلی نسلون کے ان افراد کے سامنے جواب دینا پڑے گا، جو اپنی عدالت کی کرسی جس وقت بچھائین گے، اس وقت جواب دینے والی اگلی نسلون کی ہڈیان چونہ بن کر خاک مین مل چکی ہون گی،

بہرحال آیندہ نسلون کے سامنے بازپرس اور جواب دہی کا قصہ ہو، یا "تاریخ کی عدالت کے آگے اعمال و افعال کی جائزہ آرائیون کے افسانے ہون،

ان نفسیاتی چکمون کا انسان کی خود غرض اور چالاک فطرت کا نکالتے وقت کیا واقعی کچھ پروا کر سکتی ہے؟

کچھ بھی ہو، مین تو اس کو بھی قدرت ہی کے انتقام کی ایک مخفی شکل سمجھتا ہون کہ جنھون نے مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کے ڈر کو انسانی قلوب سے نکالنے کی کوشش کی تھی، خود بھی نڈر بننا چاہتے تھے، اور دوسرون کو بھی نڈر بنانا چاہتے تھے، خدا کے خوف کا جنھون نے مضحکہ اڑایا تھا، آج وہی ضمیر اور کانشنس سے ڈرنے اور ڈرانے کا وعظ کہتے پھرتے ہین، پیدا کرنے والے سب کچھ دینے والے خالق کردگار کے آگے اعمال کی جواب دہی کا اعتقاد صرف اعتقاد، بلکہ خوش اعتقادی کی پیداوار ہے، پرانے عہد کے منبر و محراب کی پرانی یادگار ہے، جو اس کا چرچا کرتے پھرتے تھے، وہی پکار رہے ہین، کہ پچھلی نسلون کے سامنے اگلی نسلون کو اپنے کرتوتون کا جواب دینا پڑے گا،

پھر ہوا کیا؟ جو ڈرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے، ڈر تو اس کے دل سے اب بھی نہ نکلا، ذمہ داریون کے بوجھ سے جس کے سر کو چاہا گیا تھا، کہ ہلکا کر دیا جائے، اس کے کندھے پر جواب دہی کی گٹھری تو اب بھی لدی ہوئی ہے، بندگی کے لئے جو بنایا گیا ہے، بندہ بننے پر تو وہ اب بھی مجبور ہے، بقول اکبر مرحوم

ع بندگی حالت سے ظاہر ہے خدا ہو یا نہ ہو

فرق خدا والی بندگی اور بے خدا والی بندگی مین اگر کچھ پیدا ہوا ہے، تو اسی قدر ہوا ہے، کہ خدا کا ڈر، اور خدا کے سامنے جواب دہی کی ذمہ داریان جن نتائج کو پیدا کر رہی تھین، ان نتائج و ثمرات

کے پیدا کرنے سے ضمیر[1] کا غیر منطقی خوف بھی تہی دامن نظر آ رہا ہے، تجربہ سے اسی کی تصدیق ہو رہی ہے، اسی طرح مشاہدہ بتا رہا ہے، کہ آیندہ نسلون یا تاریخ کے سامنے جواب دہی کی سوفسطائی دھمکیان بھی وقت پر بے نتیجہ دھمکیون سے زیادہ کبھی کارآمد ثابت نہ ہو سکین،

کیسی عجیب بات ہو کہ ہم ڈرتے بھی رہے، جواب دہی کی ذمہ داری کا کانٹا دل مین کھٹکتا بھی رہا، لیکن ان برکتون اور بلند نظریون سے نسل انسانی محروم ہو گئی، جو صرف خالق اور پیدا کرنے والے ہی کے ڈر اور اسی کے آگے بازپرس کے خوف سے پیدا ہو سکتی ہین، پیدا ہو رہی تھین، اور چاہا جائے تو تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے، کہ اب بھی اُن کے پیدا کرنے مین اسی راہ سے نسلِ انسانی کامیاب ہو سکتی ہے،

بہرحال سلاطین سلف یا گذشتہ اسلامی حکمرانون کے متعلق اس قسم کے وسوسون کے بھیجان ہی قلوب مین آج کل جو اُٹھ رہے ہین، کہ قابو پانے کے بعد جبراً لوگون کا دین کیون نہ بدلوا دیا گیا، اور جبر کے بعد بھی آبائی دین پر اصرار کرنے والون کا ہمارے ان بادشاہون نے صفایا کیون نہ کر دیا جس سے پوچھنے والا اُن کے زمانہ مین روے زمین پر کوئی باقی نہ رہا تھا،

---

[1] یہ ضمیر یا کانشنس یا اخلاقی حاسہ وغیرہ جس کا کچھ نہ کچھ سُراغ عہد حاضر کے بے بصیرتون کو بھی انسانی فطرت مین کسی نہ کسی رنگ مین مل رہا ہے، درحقیقت فطرت انسانی کے اسی جذبہ کی یہ ٹوٹی پھوٹی ادھوری اور ناقص تعبیر ہین قرآن نے جس کا پتہ "الامانة" کے لفظ سے دیا ہے، بتایا گیا ہے کہ آدمی کی فطرت مین "الامانة" کی کیل اگر نہ ٹھونک دی جاتی، تو عملاً الانسان صرف ظالم نہین بلکہ ظلوم (بہت بڑا ظالم) اور علماً جاہل نہین بلکہ جہول (بہت بڑا جاہل) بن کر رہ جاتا، اس الامانة کے جذبہ کا مطلب یہی ہے، کہ جن چیزون پر آدمی کو اقتدار بخشا گیا ہو اس اقتدار و اختیار کے استعمال مین اپنے اپنی مرضی کا نہین بلکہ اسکی مرضی کی پابندی کرنی چاہئے جس نے ہم امانت اسی یہ اقتدار عطا فرمایا ہے کہ اپنے اقتدار و اختیار کے استعمال مین اپنی مرضی کے پابند نہین ہین، اس کا اقرار تو یہ ضمیر والے بھی کرتے اور سمجھتے ہین، کہ جو جی مین آئے کر گذرین، اس قسم کا مطلق العنان اختیار ہمین نہیں ملا ہے، مگر "الامانت" کے فقدان کی یہ صرف منفی یافت ہے آگے سوال ہوتا ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق جب اپنے اقتدار کے استعمال مین ہم آزاد بن کر پیدا نہین ہوئے ہین تو پھر کس کی مرضی کی پابندی کرین یہ مثبت اور ایجابی پہلو جذبہ امانت

یقین ماننے کہ ان رذیل اور کمینے وسوسون کی تہ مین درحقیقت بے اعتمادیون اور قلبی کمزوریون کے وہی جراثیم چھپے ہوئے ہین، جو ہر اس دماغ اور ہر اُس دل مین قدرۃً اس وقت پیدا ہو جاتے ہین، جب خدائے قادر ذوالجلال فعّال لمایرید کے وزن سے وہ خالی ہو جاتا ہے، ہر ایمانی پژمردگی، اور دینی افسردگی کے یہ ناگزیر لازمی نتائج ہین،

بچے مسلمانون کی پشت سے جھوٹے مسلمانون کی جو نسلین آج دنیا مین نکل آئی ہین، نکل نکل کر پھیل رہی ہین، اُن پر یہ بات گران گذر رہی ہے، کہ لذیذ و تر لقمون، فاخرہ طاؤسی لباسون، حسین و پرشوکت سواریون اونچے اور بلند ایوانون کے استعمال مین دوسرے ادیان و مذاہب کے ماننے والی قومین آج اُن سے کیون مزاحمت کر رہی ہین، وہ سوچتے ہین کہ موقع کی پیشانیان ہمارے آباد اجداد کے ہاتھون مین جب بار بار آتی رہین، تو بجائے گھیٹنے کے ان پیشانیون کو اپنے ہاتھون سے انھون نے کیون نکل جانے دیا،

یہ ہو سکتا تھا کہ مسلمانون کا سا نام رکھ کر اسلامی طاقت سے فراہم کردہ ثروت دولت سے ہماری گذشتہ نسلین بھی انتہائی بے شرمی اور بے حیائی کے ساتھ استفادے مین اگر اسی طرح مشغول ہونے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتین، جیسے مسلمانون مین مردہ ضمیرون کا ایک طبقہ آج کل یہی کر بھی رہا ہے اور مسلمانون جیسے اپنے نامون کو پیش کر کے غریب ناواقف مسلمانون سے ووٹ حاصل کرتا ہے، اسی ذریعہ سے حکومتون کی کرسیون تک پہنچنے مین کامیاب ہو رہا ہے، لیکن اخلاقی جرأت کی شدت افلاس نے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۷) کا عصری مفکرین کی نگاہون سے اوجھل ہو گیا، حالانکہ فطرت انسانی کی یہی پیاس آدمی کو اس پر مجبور کرتی ہے، کہ جس کا وہ امین ہے، اس کی مرضی کو دریافت کرے، اسی کے بعد نبوت اور وحی کے پانی کی تلاش پیدا ہوتی ہے، ورنہ فرض کی پابندی فرض عائد کرنے والے کے بغیر مہمل بات ہے، ۱۲

اتنی ہمت بھی ان بزدلون مین باقی نہین چھوڑی ہے، کہ دل مین اُن کے جو کچھ ہے، اس کو زبان تک لانے کی جسارت کرین، اسلام اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جس اعتماد کی ضرورت ہے، اعتماد کی اس دولت کو وہ کھو چکے ہین، لیکن اپنے اس باطنی دیوالیہ پن اور ایمانی افلاس کا اعلان بھی نہین کر سکتے، نفرتی اور طلائی مصالح یا جھوٹے آنر جاہ کاذب کی بے بناہ آرزو، اس اعلان کی راہ مین ہمیشہ روک بن جاتی ہے،

وہ اپنی چھچھوری طبیعتون، اور فطری تنگ ظرفیون کے اقتضا رکی توقع اپنے بلند نظر خدا دوست، خدا اعتماد اسلاف سے بھی رکھتے ہین، کوئی شبہہ نہین کہ ضعف ایمان کی بے اعتمادی کی یہی لعنت خدانخواستہ اگر ہمارے بزرگون پر بھی مسلط ہوتی، تو جو کچھ آج سوچا جا رہا ہے، شاید اُسے وہ کر گذرتے،

لیکن ظاہر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ سنا ہے، ہم اوس کو نہین سنین گے، جن کے دماغون مین یہ گندے فیصلے جگہ بنا چکے ہین، اُن پر ان بزرگون کے نفسیات و احساسات کو قیاس کرنا کتنا غلط ہوگا، جنھون نے محمد (صلواۃ اللہ علیہ وسلامہ) ہی کو اپنی آنکھ بھی بنا لیا تھا، اور اُن ہی کو وہ اپنے کان بھی بنا چکے تھے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اپنی آنکھون کی دیکھی ہوئی چیزون اور اپنے کانون سے سُنی ہوئی چیزون کی ان لاہوتی معلومات کے مقابلہ مین اُن کی نگاہون مین کوئی قیمت باقی نہین رہی تھی، جنھین قدرت کی عطا کی ہوئی اس جدید بینائی اور جدید شنوائی کی راہون سے وہ پا رہے تھے، بینائی کی ایک نئی تازہ اور مقدس روشنی نے اور شنوائی کے اس معصوم نئے احساس نے اُن کے لئے غیب کو شہادت بنا دیا تھا، اَن دیکھے حقائق، دیکھے بھالے حقائق کی شکل اختیار کر چکے تھے، انجانی باتین جانی بوجھی باتون سے بھی زیادہ جانی بوجھی جنچی تلی باتین بن چکی تھین، بلکہ بینائی کی اس نئی قوت اور شنوائی کی اس نئی راہ کے مسلسل او پیہم تجربون نے ایسے استوار و محکم غیر متزلزل اعتماد کو اُن کی فطرت مین راسخ کر دیا تھا کہ اپنی جسم کی آنکھون اور کانون سے اُن کو اگر اس کا حکم بھی دیا جاتا، کہ غیب کے ان ہی حقائق اور واقعات کا خود معائنہ کر لو، تو شاید وہ خود اس کا انکار کر دیتے[1]، اور سچ بھی یہی ہے کہ علم کے بے خطا معصوم ذریعہ سے

[1] حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو،

جن معلومات تک ہماری رسائی ہورہی ہو، ان ہی معلومات کو غیر معصوم اور غلطی میں مبتلا ہونے والے ذرائع سے جانچنے کی ضرورت ہی کیا رہتی ہے، نفع سے زیادہ یہ واقعہ ہے، کہ نقصان ہی کا احتمال اس میں زیادہ ہے دوربین شیشہ کا عدسہ کسی فضائی سیارے کے خصوصیات کو ہم پر جب واشگاف کر چکا ہے، تو اسی سیارے کو دوربین سے ہٹ کر دیکھنے کی سعی، سعی لاحاصل ہی نہیں، بلکہ سعی مضل ہی ہو سکتی ہے، نبوت کہئے یا رسالت، وحی نام رکھئے یا پیغمبری حاصل سب کا یہی ہے کہ

زمغربی نظرے دام کن بدست نگر
قرض لو ۱۲
کہ تا بدیدۂ کامل کمالِ او بینی

خلاصہ یہ ہے کہ تاریکی صرف اُن کے لئے ہے، جنھون نے روشنی کے مشاہدہ اور یافت کی فطری قوت سے رشتہ توڑ لیا ہو، لیکن ٹٹول ٹٹول کر چلنے کی اس شخص کو کیا ضرورت ہے، جو آنکھیں رکھتا ہے

ہم جن کی جان و مال، عزت و آبرو کے احترام کی ذمہ داری زندگی ہی کی حد تک نہیں بلکہ مرنے کے بعد لاش کی ہڈیوں تک کے متعلق قبول کرتے ہین، جن کو اسلامی قلمرو مین اس معاہدہ کے ساتھ سکونت پذیر ہونے پر راضی ہوتے ہین کہ معذوری و مجبوری کی صورت مین حکومت کا خزانہ (بیت المال) اُن کی ضروریات زندگی کو اسی طرح مہیا کرے گا، جیسے اپنے قلمرو کی ہر مسلم رعیت کا کفیل بن کر ہمیہ وغیرہ جیسے تجارتی معاملات کے سوچنے سے وہ مستغنی کر دیتا ہے،

اسلامی حکومت کے ان امن پسند شہریوں کے ساتھ معاہدے کرنے مین ذہنی محفوظات کی گنجائش

(حاشیہ ص ۱۰۹) ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل تو غیب بندق و تمہارے سامنے بھی آجائے، مومنہ خاتون نے جواب مین عرض کیا کہ آپ کے دیکھنے کے بعد اس کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ میں بھی اس کو دیکھوں (او کما قال) لہ مغربی شاعر کا تخلص ہے فرماتے ہین کہ دوست کو دیکھنا چاہتے ہو تو مغربی سے نگاہ قرض لے لو، کیونکہ دوست کے کمالات کا مشاہدہ کامل ہی کی نگاہ سے تم کر سکتے ہو ۱۲

اسلام مین کیا ہو سکتی ہے، جب معاہدے کی وہ خطرناک قسم جس کے آگے پیچھے فریقین کو اوہام اور خطرات کے بادل منڈلاتے نظر آتے ہین، یعنی جنگ کرنے والے دشمنوں کے متعلق

وان جنحوا للسلم فاجنح لها　　اگر دشمن صلح کی طرف جھکین تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ،
(الانفال)

کا مشورہ دیتے ہوئے ان سارے سوراخون کو بند کرنے کے لئے جن کی راہ سے قدرۃً خطرات کے گھس پڑنے کا احساس قلوب مین پیدا ہوتا ہے، ان ہی سوراخون کو بند کرنے کے لئے قرآن مین حکم دیا گیا کہ

وتوکل علی اللہ اِنَّ اللہ سمیعٌ بصیر　　خدا پر اعتماد رکھو وہ سننے والا، اور جاننے والا ہے،

صرف اسی حکم کو دیکھ خطرات کے سارے سوراخون کو بند ہی نہین کر دیا گیا ہے، بلکہ دشمنون کے ساتھ اس نوعیت کے معاہدون مین فریب اور دھوکے کے خطرناک نتائج کا تجربہ کبھی کبھی جو ہوتا رہتا ہے، معاہدے کے اسی سبب سے بڑے خطرے کا ذکر ان الفاظ مین فرمانے کے بعد یعنی

فان ارادوا ان یخدعوک　　صلح کے معاہدے کی شکل مین اگر دشمن دھوکا دینا چاہتے ہون،

تو بجائے "ذہنی محفوظات" کے جس نے اپنے معاہدے کی بنیاد "توکل علی اللہ" کی ٹھوس چٹان پر قائم کی ہے، اس کو

فان حسبی اللہ　　تو (ایسی صورت مین) اللہ میرے لئے کافی ہے،

کا قرانی وثیقہ عطا کیا گیا ہے، جن کا مطلب یہی ہوا کہ دھوکہ اور فریب خواہ جتنا بھی خطرناک ہو، معاہدے کے ذریعہ دشمن اگر دینا چاہیں گے تو خدا نے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے، کہ ان کے ہر فریب اور چال کو بے کار کرکے رکھدیا جائے گا، اور خدا کی غیبی نصرتیں اُن کو خطرے سے نکال لیا کرین گی،

ان لوگون سے تو بحث ہی نہین ہے، جنھون نے قرآن کو خدائے قادر و توانا کی کتاب ہی نہین تسلیم کیا ہے، یا تسلیم کرنے کے بعد جو شک مین مبتلا ہین، یا العیاذ باللہ مرتد ہو چکے ہین، بلکہ میری گفتگو سلف کے اُن مسلمانون تک محدود ہے، جنھون نے یہ مان لیا تھا کہ فَاِنَّ حَسْبَکَ اللّٰہُ (تو قطعًا اللہ میرے لئے کافی ہے) کے یہ الفاظ خدائی الفاظ اور آسمانی وثیقہ کی حیثیت رکھتے ہین، یہ ذمہ داری اس نے لی ہے، جس سے ظاہر و باطن، اندر و باہر کا کوئی حال مخفی نہین ہے، اور جس کا زور اور زور والے کے زور کو قطعی طور پر ہر حال مین ختم کر دینے کے لئے کافی ہے، ذرا سوچئے تو سہی کہ اس ایمان، ایقان اور لاہوتی سکینت و اطمینان کے بعد کیا اس کا امکان رہ جاتا ہے، کہ معاہدے مین جو کچھ کہا گیا ہے، اس کے سوا بھی کچھ سوچا جائے،

خود پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی سکھاتے ہی تھے، اور اسی کو کرکے دکھاتے بھی تھے، حدیبیہ کی صلح کے موقع پر کون نہین جانتا کہ معاہدہ باضابطہ تحریری قالب مین ابھی آیا بھی نہین تھا، صرف زبانی گفتگو مین منجملہ دوسری باتون کے یہ بھی مان لیا گیا تھا، کہ قریش کا جو آدمی مسلمانون مین آکر شریک ہوگا، اسے واپس کر دیا جائے گا، بات ابھی ہو ہی رہی تھی، کہ ابو جندل زنجیر مین گھسٹتے ہوئے اسلام اور اسلام کی دہائی دیتے ہوئے سامنے نمودار ہوتے ہین، پیغمبر اور پیغمبر کے صحابیون کو خطاب کرتے ہوئے کہ مسلمان ہونے کے جرم مین قریش نے زنجیرون مین مجھے جکڑ رکھا تھا، مین آپ لوگون کی امداد کے بھروسے پر کسی نہ کسی طرح یہان تک پہونچنے مین کامیاب ہو گیا ہون، قریش کا وکیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا ہے، کہ لکھا نہ گیا ہو، لیکن زبانی مان لیا گیا ہے، اس لئے ابو جندل کو واپس کیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ مشہور ہے سب ہی جانتے ہین بالمومنین

رؤف و رحیم ہوتے ہوے قریش کے وکیل سے فرمایا

صدقت

تم سچ کہتے ہو،

حالانکہ ابو جندل چیختے رہے، چلاتے رہے، کہتے رہے، کہ مسلمانو! کیا مجھے دین کے ان دشمنون کے حوالہ کر دیا جائے گا، لیکن باوجود اس کے تاریخ نے اس واقعہ کو اب تک محفوظ رکھا ہے، کہ ابو جندل سے تسلی کے الفاظ فرماتے ہوے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ان لوگون سے عہد کر چکے ہین

لا نغدر بھم (ابن ہشام ج ۱ ص ۲۳۱)

ہم ان کے ساتھ عہد شکنی نہین کر سکتے،

اور کیا اُمت مسلمہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اٹھے ہاتھون کو بھول سکتی ہے، جو خدا کے سامنے اٹھے ہوئے تھے، اور قبیلہ بنی جذیمہ کے متعلق غلط فہمی مین مبتلا ہو کر ان کے چند مسلح اور ہتھیار بند سپاہیون کو حضرت خالد بن الولید نے قتل کرا دیا تھا، قتل کے اسی غلط اور غیر قانونی حادثہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے،

"اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا ہے تیرے سامنے اس سے اپنی برأت پیش کرتا ہون"

بار بار اسی کو دہراتے جاتے تھے، اور اسی پر بس نہ فرمایا گیا، بلکہ عرب جو اس قسم کے قتل و قتال کے عمومًا عادی تھے، اُن کو دیکھ کر حیرت ہو گئی، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اونٹون پر سامان لادے ہوے اسی بنی خذیمہ کے قبیلہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پہنچے ہین، اور مال و جان کا جو نقصان حضرت خالدؓ کی غلط فہمی کی وجہ سے پہنچ گیا تھا، اس نقصان کی تلافی کے لئے آپ نے یہ اعلان عام فرمایا کہ ہر ایک اپنا دعوی پیش کرے، جس نے جو دعوی پیش کیا، اور حساب سے جس ہرجانہ کا جو مستحق تھا، حضرت علیؓ نے ہر ایک کو ادا فرما دیا،

حتی میلغۃ کلب (الزرقانی وغیرہ)

حتی کہ کتے کے کھانے پینے کی ہنڈیا کا تا دان تک،

آخر مین یہ پوچھنے کے بعد کہ تم لوگون کو تشفی ہوگئی، جواب مین سب نے رضامندی کا جب اظہار کیا تو حضرت علیؓ نے ایک قسط نذر اند پیش کی، اور کہا کہ یہ اس نقصان کا معاوضہ ہے، جو معلوم نہ ہوسکا، جو کما جانے گا وہی کیا بھی جائے گا، اس کی ان ہی عملی نظرون کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے، پھر مسلمانون پر جب تک دین کا اثر غالب رہا تاریخ بتاتی ہے، کہ معاہدات کی تکمیل مین غیر مسلمون کے ساتھ انھون نے ہمیشہ وہی کیا، جس کا وعدہ کیا جاتا تھا،

ایک اندھا جیسے بھیک مانگتے کپڑون مین بوڑھا یہودی فقیر ہے، اس کے بازو کو پکڑے ہوئے اپنے عہد کے سارے حکمرانون مین سب سے بڑے حکمران عمر فاروقؓ لئے چلے آرہے ہین، بیت المال کے ناظم کے پاس کھڑے ہوئے ہین، اور اسی یہودی نابینا بڑھے فقیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہین:-

"ہم نے ہرگز انصاف نہین کیا، اگر جوا ... ان لوگون کی کمائی کھاتے رہے اور بڑھاپے مین ان کو چھوڑ دین"

آخر مین ناظم بیت المال کو خلافت کی طرف سے یہ فرمان دیا گیا، کہ

انظر هذا وضرباءه — اس اندھے یہودی فقیر اور اس جیسے جو بھی ہون سب کی خبر گیری کرتے رہو، (کتاب الخراج ص ۱۱۶)

یہی تو غور کرنے کا مقام ہے، کہ اسلامی قلمرو کے غیر مسلم طبقات کے معذورون اور بڈھون تک کی پرورش جب اسلامی بیت المال کے ذمہ واجب ہے، تو کیا اسی اسلام اور اسلام کے ماننے والے سے یہ توقع کسی حیثیت سے بھی قابلِ تصور ہوسکتی ہے، کہ اسلامی حکومتیں اپنے علاقہ کے غیر مسلم باشندون کے صفایا کے مسئلہ کو سوچ بھی سکتی تھین؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت کا مشہور واقعہ ہے، کہ حیرہ کے کسی

یہودی یا نصرانی کو بکر بن وائل قبیلہ کے کسی مسلمان نے قتل کر دیا تھا، مدینہ سے حضرت عمرؓ کا فرمان والی حیرہ کے نام آیا،

"اس قاتل کو مقتول کے وارثون کے سپرد کر دیا جائے، جی چاہے اُن کا تو بدلہ مین اس کو قتل کرین، یا جی چاہے تو معاف کر دین"

والی نے قاتل کو مقتول کے وارثون کے سپرد کر دیا، مقتول کا وارث جس کا نام حنین تھا لکھا ہے کہ

فقتله، — حنین نے اس مسلمان قاتل کو قتل کر دیا، (نصب الرایہ ج ۲ ص ۳۳)

بجنسہ اسی نوعیت کا ایک مقدمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے زمانہ مین پیش آیا، حضرت مرتضیٰ علیہ السلام کے اجلاس مین مقدمہ پیش ہوا، گواہیان گذرین، مجرم پر جرم قتل ثابت ہوا، حضرت نے اس مسلمان قاتل کے قتل کا فیصلہ صادر فرمایا، فیصلہ کے بعد مقتول جو غیر مسلم تھا اس کے وارث حاضر ہوئے، اور انھون نے درخواست پیش کی کہ ہم لوگ اس کو قتل کرانا نہین چاہتے، حضرت علیؓ نے درخواست دینے والون کو بلاکر دریافت کیا، کہ

"کیا مسلمانون نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے؟"

جواب مین انھون نے کہا کہ

"جی نہین کسی نے نہ ڈرایا ہے، اور نہ دھمکایا ہے، بلکہ ہم لوگ سوچتے ہین کہ قاتل کے مارنے سے ہمارا مقتول بھائی اب زندہ ہونے سے رہا، اس لئے ہماری درخواست یہ ہے کہ ہمین معاوضہ دلایا جائے (یعنی خون بہا کا مطالبہ کیا)

یہ سُن کر مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ

"تم اپنے معاملہ کو زیادہ سمجھ سکتے ہو"،

مطلب یہ تھا کہ مسلمانون کے ڈرانے دھمکانے سے بجائے قتل کے خون بہا دلانے کی تم نے یہ درخواست اگر پیش کی ہے، تو حکومت تمہاری پشت پناہی کرنے کے لئے تیار ہے، لیکن واقعی اگر تمہاری سمجھ مین یہی آیا ہے کہ قتل کرانے کا کیا فائدہ تو تم کو اس کا قانون نے اختیار دیا ہے[1] حضرت نے اس کے بعد غیر مسلمون کو خطاب کرکے اعلان فرمایا، کہ

مَنْ كَانَ لَهُ ذِمَّتُنَا فَدَمُهُ كَدَمِنَا وَدِيَتُهُ كَدِيَتِنَا،	ہم نے یعنی ہماری حکومت نے جن لوگون کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے (معلوم ہونا چاہیے کہ اس معاہدہ کے بعد) اُن کا خون ہمارے خون کے اور ان کے خون کی قیمت (یعنی دیت) ہمارے خون کی قیمت کے برابر
(نصب الرایہ ج ۳ صفحہ ۳۳۴)	

اسلامی قلمرو کے غیر مسلم باشندون کی جان اور خون کی قیمت جب مسلمانون کی جان اور خون کی قیمت کے برابر قرار پا چکی تھی تو اسلامی حکمرانون کے لئے خود ہی سوچئے کہ صفایا تو صفایا اپنے علاقے کے غیر مسلم باشندون کو کیا ٹیڑھی نظرون سے بھی وہ دیکھ سکتے تھے،

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام رواداری کے سلسلہ مین جب اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ مسلمانون کی خاص عبادتگاہون یعنی مسجدون کے اندر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ)

---

[1] جیسا کہ معلوم ہے کہ مقدمہ مین مقتول کے وارثون کو اسلام نے اختیار دیا ہے، چاہین تو قاتل کو قتل کرکے اپنے دل کی تسکین انتقام سے حاصل کرین، اور چاہین تو بجائے قتل کے خاندان کی ایک کمانے والی قوت کے گھٹ جانے سے جو نقصان پہنچا ہے اس نقصان کی تلافی دیت یعنی خونبہا لے کر کرین، ۱۲،

ہی کو نہین، بلکہ طائف کے بُت پرست مشرکین تک کو اجازت مرحمت فرمائی، کہ مسجد کے صحن کے پچھلے حصہ مین اپنے خیمے نصب کرین، پوچھنے والون نے پوچھا بھی

انزلتهم المسجد وهم مشركون	آپ لوگون کو مسجد مین اتارتے ہین حالانکہ وہ تو مشرک ہین،

جواب مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ان الارض لا تنجس[1] (نصب الرایہ ج ۳ صفحہ ۳)	زمین ناپاک نہین ہوتی،

ذرا اندازہ کیجئے اس کا کہ خود پیغمبر اسلام علیہ السلام کا حال جب یہ ہو صحابی راوی ہین کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ اچانک آپ نے فرمایا،

---

[1] مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسا کہ بظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، یہ تھا کہ زمین پر وہ رہین گے، اور زمین کسی کے چلنے پھرنے سے یا اٹھنے بیٹھنے سے ناپاک نہین ہوتی، یہ تو خدا کا بچھایا ہوا فرش ہے، سب ہی کو اس پر چلنے پھرنے کا حق ہے، طائف کے اس وفد سے پہلے نجران کے عیسائیون کو بھی مسجد مین اتارا گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی ان ہی رواداریون مین اس کے دائرہ کی وسعت کا بڑا راز پوشیدہ تھا، جن ادیان و مذاہب کے ماننے والون نے اپنے ادیان و مذاہب کو صرف اپنی بلندی اور برتری کا ذریعہ بنا رکھا ہے، قومون کے تعلق مین بغض و عداوت کا ان کی طرف سے پیدا ہو جانا ایک قدرتی نتیجہ ہے، بھلا یہودیون کی ان خرمغزیون کو کون برداشت کر سکتا تھا جب وہ کہتے تھے کہ ہم تو خدا کے بیٹے، اور خدا کے محبوب ہین، یا بعض دوسرے ادیان و مذاہب والون نے اپنے ہی جیسے انسانون کے متعلق اس قسم کے قوانین بنا رکھے تھے، کہ اُن کے مذہب کی کتاب کا کوئی فقرہ اس کے کان مین اگر اتفاقاً چلا جائے گا، تو کان ہی سے نہین، بلکہ جان سے بھی ہاتھ اس کو دھونا پڑیگا، یہ حکم قدم قدم فاصلہ کم از کم یا کون اوزار پاکی ن مین باقی رہے، اس لئے مجبور کیا جاتا تھا کہ ناپاک جو سمجھے جاتے ہین، وہ راستہ چلتے ہوئے ہاتھ سے ڈگڈگی بھی بجاتے جائین، قرآن مین اس کے برخلاف حکم دیا گیا ہے، کہ غیر مذہب کا آدمی خواہ

قوموا بنا نعود جارنا الیھودی	کھڑے ہوجاؤ، ہمارے ساتھ ہم سب اپنے پڑوسی
(کتاب الآثار للامام محمد)	یہودی کی بیمار پرسی کو چلیں،

پیغمبر خود بھی ہیں، اور اپنے ساتھ اپنے صحابیوں کو لئے ہوئے اس بیمار یہودی نوجوان کے پاس پہنچتے ہیں جو مدینہ کا باشندہ تھا، جوار اور پڑوس کے حق کو اس عملی شکل میں کرکے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دکھایا تھا تو غیر مذہب کے ہم وطنوں اور پڑوسیوں کے ساتھ بتایا جائے کہ مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت قدرۃً جو ہو گئی، اس کے سوا اور کیا ہوتی؟

لوگ جبر جبر کے لفظ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف منسوب کرکرکے اس سوال کا جواب حاصل کرنا چاہتے ہیں، کہ اتنے قلیل عرصہ میں مشرق و مغرب، جنوب و شمال ایشیا و افریقہ، بلکہ یورپ کے بعض

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۱) مشرک ہی کیوں نہ ہو، قرآن سننا چاہے، تو اس کو خدا کا کلام سنایا جائے، مسجدوں میں ٹھہرانے کی غرض بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تھی کہ اسلام کے مشاہدے اور تجربہ کا لوگوں کو موقعہ ملے، یہی طائف والے کہاں تو اتنے سخت تھے، کہتے تھے کہ ہم اپنے سرینوں کو اس طرح اٹھا بٹھا نہیں سکتے، جیسے تم لوگ رکوع اور سجدے میں کرتے ہو، مگر مسلمانوں کی نمازوں کی دلکشی نے دیکھنے کے بعد ان پر اتنا اثر کیا، کہ واپسی سے پہلے وہ مسلمان ہوگئے، شمس الائمہ سرخسی نے شرح کبیر میں لکھا ہے، کہ غیر مسلم رعایا کے لئے اسلامی حکومت نے مساوات کا جو قانون نافذ کیا ہے، اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ

ربما یرون محاسن الشریعۃ		(یعنی اس ذریعہ سے ان کو اسلامی شریعت
ویسلمون فکان ھذا فی معنی	(شرح سیر کبیر)	کی خوبیوں کے دیکھنے کا موقع ملتا ہے، اور
الدعا الی الطریقین ج ۳ ص ۳۵		اسلام قبول کر لیتے ہیں گویا اسلامی دعوت کی"

ابن بطال کے حوالہ سے الکتانی نے نقل کیا ہے، کہ قرآن وعلم (حدیث وغیرہ) فقہ کی تعلیم نہ صرف اسلامی قلمرو کے مسلم باشندوں بلکہ ان کے سوا دوسرے غیر مسلموں کو دینا چاہئے، یہ ابوحنیفہ و شافعی کا مقولہ ہے ص ۲۰۳ ج ۲ طبع ۲ غیر مسلم

حصوں تک میں اسلام کیسے پھیل گیا؟ اسی یہودی جار کے قصہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاج پرسی کے بعد اسلام کو اس پر تین دفعہ پیش کیا، تیسری دفعہ آپ کے فرمانے اور اپنے باپ کا اشارہ پانے پر اس نوجوان یہودی نے اسلام قبول کر لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہوگئے،

الحمد للہ الذی اعتق بی نسمۃ	اس خدا کا شکر ہے جس نے میرے ذریعہ
من النار	ایک انسانی روح کو جہنم کے عذاب سے
	آزادی عطا فرمائی،

تلاش کرنے والے چاہیں تو ان واقعات میں اور غیر مسلموں کے ساتھ اسلام کے اس سلوک خاص میں اپنے سوال کا واقعی جواب تلاش کر سکتے ہیں،

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عیسائی غلام اسحٰق کے حال سے لوگ واقف ہونگے، جو سالہا سال تک حضرت کی خدمت میں رہا، لیکن اس کا خود بیان ہے، کہ حضرت عمرؓ نے اسلام کے قبول کرنے پر اس کو کبھی مجبور نہیں کیا، زیادہ سے زیادہ یہی فرماتے رہے کہ اسحٰق تو مسلمان ہو جائے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۸) اقوام کے پڑوسیوں کے ساتھ مسلمانوں کے وہی تعلقات جنھیں عہد حاضر کا مسلمان پڑھتا ہے، اور دل ہی دل میں دنیا کی ان ہی غیر مسلم اقوام کی موجودہ نسلوں کو خطاب کرکر کے کہتا ہے ؎

ہم نے جب ہوش سنبھالا تو سنبھالا تم کو	تم نے جب ہوش سنبھالا تو سنبھلنے نہ دیا

یہی یہودی قوم جس کے ایک فرد کی عیادت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، سینکڑوں سال تک ان کی پناہ گاہ مسلمانوں کے ممالک رہے جس کا کچھ ذکر آگے بھی آرہا ہو لیکن ان کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہے، دنیا دیکھ رہی ہے، یورپ سویا ہوا تھا، ہم نے اس کو جگایا، جگنے کے ساتھ ہمارے سینہ پر چڑھ بیٹھا اور نہیں کس کس کا ذکر کروں قوموں کو سوچنا چاہئے کہ آخر شرافت کیا اسی کا نام ہے، انسانیت اسی کو سمجھتے ہو،

توکتنی اچھی بات ہوگی، حضرت عمرؓ کی یہی نرمی سختی سے زیادہ کارگر ہوئی اُسق آپ کی وفات کے بعد محض آپکے حُسن سلوک کی وجہ سے مسلمان ہو گیا، (طبقات ابن سعد)

اور سچ پوچھئے تو آیندہ اسلامی حکمرانون کے متعلق اس قسم کے قصّے تاریخون مین جو پائے جاتے ہین، مثلاً دولت عباسیہ کے معمار صادق ابوجعفر منصور ہی کے متعلق لکھا ہے، کہ اس کا ایک نصرانی طبیب جس کا نام جورجس تھا، بیمار پڑا، حالت زیادہ خراب ہونے لگی، تو منصور پیدل اس کی مزاج پرسی کے لئے دارالخلافہ سے جورجس کے گھر پہنچا، وہ خلیفہ کی اس عنایت خاص کو دیکھکر رونے لگا، منصور نے جورجس کو اس حال مین پاکر کہنا شروع کیا کہ

اتق اللہ واسلم وانا ضمن لک بجنۃ (طبقات الاطبا، ج ۱ ص ۱۲۵) — جورجس اللہ سے ڈر، مسلمان ہوجا، تیرے لئے جنت کی مین ضمانت لیتا ہون،

مگر عیسائی بہرحال عیسائی تھا، جواب مین اس نے خلیفہ سے کہا،

مین تو اپنے باپ دادا اُن کے دین ہی پر مرنا چاہتا ہون، وہی جگہ مجھے پسند ہے، جہان وہ ہون، خواہ وہ جنت ہو، یا دوزخ (ج ۱ ص ۱۲۵)

مگر آپ جانتے ہین اس جواب کو سُن کر منصور جیسے غضبناک بادشاہ پر کیا اثر طاری ہوا؟ لکھا ہے کہ

فضحک الخلیفۃ من قولہ، — خلیفہ جورجس کے اس جواب کو سن کر ہنسنے لگا

کیا دین پر جبر کرنے کی یہی صورت ہوتی ہے؟ اسی کتاب مین لکھا ہے کہ جورجس نے منصور سے خواہش کی کہ مجھے اپنے وطن جندیساپور پہنچا دیجئے، تاکہ اپنے بزرگون کے ہمراہ مین دفن ہونے سے اگر مرگیا تو محروم نہ رہون، منصور نے اسی وقت دس ہزار اشرفیون کی منظوری صادر کی، اور حکم دیا کہ شاہی انتظام کے ساتھ اس کو گھر پہنچا دیا جائے، اور جورجس وطن پہونچ گیا اور وہین جاکر مرا۔ (باقی)

قطب الدین ایبک کی علمی مجلس

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے

سلاطین دہلی[1] کی حکومت غلامون کی بادشاہت سے شروع ہوتی ہے، اور یہ اسلامی مساوات و اخوت کا ایک بہت روشن پہلو ہے، کہ غلامون نے بھی مسند حکومت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد اپنے آقاؤن کی طرح کشورکشائی اور جہانبانی کی، اور جس تدبر اور دانشمندی سے زمام سلطنت کو سنبھالا، وہ اس کی بین دلیل ہے، کہ ان غلامون کی تعلیم وتربیت انکے آقاؤن نے اپنے خاندان کے افراد کی طرح کی تھی،

قطب الدین ایبک کی ابتدائی زندگی کے ذکر مین مولانا منہاج سراج مؤلف طبقات ناصری رقمطراز ہین

"سلطان قطب الدین جب پہلی دفعہ ترکستان سے لایا گیا، تو شہر نیشاپور مین آیا، قاضی القضاۃ فخرالدین عبدالعزیز کوفی نے جو امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ کی اولاد مین اور نیشاپور، اور اس کے مضافات کے حاکم تھے، اس کو خریدا، اوس نے اس کے لڑکے کے ساتھ کلام اللہ پڑھا اور سواری اور تیراندازی کی تعلیم پائی، (ص ۱۳۰)

تاریخ مبارک شاہی کے مؤلف یحیی سرہندی نے بھی اس واقعہ کو تھوڑے تغیر کے ساتھ لکھا ہے تاریخ فرشتہ مین ہے،

۱۔ راقم الحروف شاہان تیموریہ کی طرح سلاطین دہلی کی علم نوازی وعلم پروری کے حالات بھی قلمبند کررہا ہے، یہ مقالہ اس کا ایک ٹکڑا ہے،

"ایک سوداگر اس کو ترکستان سے نیشاپور لایا، بچپن ہی میں سوداگر نے قطب الدین کو قاضی فخر الدین بن عبد العزیز کوفی کے ہاتھ جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے، فروخت کیا، چونکہ خدا کو ایک دن اس لڑکے کو بڑا آدمی بنانا منظور تھا، اس لئے بچپن ہی سے بزرگی اور برتری کے آثار اس کے چہرے سے نمایان تھے، قاضی فخر الدین نے اپنے بیٹون کے ساتھ قطب الدین کو بھی تعلیم دلانی شروع کی، اور وہ تھوڑے ہی دنون مین کلام پاک، علم دین اور رسم الخط وغیرہ سے بخوبی واقف ہوگیا، آداب اور کمالات مین بھی اچھی مہارت حاصل کرلی، قاضی فخر الدین نے تمام عمر قطب الدین کو اپنے سے جدا نہین کیا، اور مثل اپنے بیٹون کے اس کی پرورش و پرداخت کرتے رہے، قاضی صاحب کے مرنے کے بعد ایک سوداگر نے قطب الدین کو قاضی کے کسی بیٹے سے خریدا، اور تحفے کے طور پر سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت مین پیش کیا، بادشاہ نے قطب الدین کو اس سوداگر سے بہت بڑی رقم پر خریدا، چونکہ قطب الدین کے ہاتھ کی چھوٹی انگلی ٹوٹی ہوئی تھی، بادشاہ اور درباری اسے ایبک کہنے لگے[1]"

قطب الدین ایبک اوائل زندگی ہی سے جود و سخا مین مشہور تھا، بادشاہ ہونے کے بعد اس کی فیاضی و داد و دہش کے واقعات ضرب المثل ہوگئے، وہ انعام و اکرام مین لاکھون روپے تقسیم کردیتا، اور اس کی فیاضی صرف اس کے اہل دربار ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ ہر محتاج اور ضرورت مند اس کی سخاوت سے فیضیاب ہوتا تھا، اسی لئے وہ لکھ بخش کے نام سے مشہور ہوا، علماء اور شعراء بھی اس کے خوان کرم سے متمتع ہوئے، امام ملک الکلام بہاؤ الدین اوشی کے حسب ذیل دو شعر اس کی مدح مین ہین،

اے بخشش تو لک بجہان آوردہ / کارا کف تو کار بجان آوردہ

از رشک کف تو خون گرفتہ دل کان / پس لعل بہانہ درمیان آوردہ

---

[1] تاریخ فرشتہ ص ۶۳، نولکشور پریس،

بہاء الدین اوشی، اوش سے ہندوستان آیا، اپنے زمانہ کا مشہور شاعر اور ادیب تھا، عوفی نے لب الالباب مین اس کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے،

"الامام الاجل بہاء الدین محمد الاوشی، ایک خوشگو واعظ، جوان طبع انشاء پرداز، اور فصیح لطیفہ پرداز تھا، ہمیشہ اپنے کو مخاطب کرکے کہتا تھا کہ اے بہاء اوشی تو بہاؤ اوشی (یعنی اے بہاء اوشی تو اوش کی رونق ہے) اس کی نظم بھی پسندیدہ اور خوشنما ہوتی تھی، لیکن اس کی نثر نظم سے بہتر تھی، اور تمام معاصر فضلاء نے انصاف کے ساتھ اعتراف کیا ہے، کہ بدیہہ گوئی مین کوئی اس کا مد مقابل نہ تھا، (جلد اول ص ۱۰۰)

ہندوستان آکر قطب الدین ایبک کے دامن دولت سے وابستہ ہوا اور اس کی شان مین قصائد کہہ کر اپنی خوش گوئی اور فصیح البیانی کی داد لیتا، اور اس کے فیض و کرم سے سیراب ہوتا، مندرجہ ذیل قصیدہ مین اس نے قطب الدین ایبک کی بہادری، فیاضی اور عدل پروری کا ذکر جس کو لہانہ انداز سے کیا ہے وہ سلطان وقت کی ذات سے اس کی شیفتگی اور خود سلطان کی علم پروری کی دلیل ہے،

اے قطب آسمان کہ ز سہم ذباب تو / در روز رزم رستم خونخوار بشکند

از شرم فیض قلزم مواج کف تو / در وقت بزم بحر گہربار بشکند

قطبی وآفتاب ز نور تو وام خواست / گردد کنی ز تو دل آن یار بشکند

در قدر تو بگرد فلک بر نیا مدی / ہم کار و بار گنبد دوار بشکند

ناہید گر نہ گوید مدح تو در نوا / زخمہ اش بوقت زخم بر او تار بشکند

بے بوے خلق تو نتواند صبا بعمد / کز جعد زلف یار یکے تار بشکند

بر ہر کہ بوے خلق تو روزی گذر کند / او آرزوے نافہ تاتار بشکند

اسرار در ز مہر ست ورائے تو / ہر روز مہر نامۂ اسرار بشکند

تو مرکزی و چرخ چو پرکار گرد تو — یکسر اگر شود ز تو کار بشکند

در گرد صیت تو نرسد خوشروِ صبا — سیار تیز رو نه ز طیار بشکند

خاے کہ پاے بے زرہ خصم تو نخست — دست زمانہ خود سرآن خار بشکند

بازارِ ظلم اگر بشود گرم در جہان — از عدل تو ستم را بازار بشکند

از نشکند ردیف نکرم ز بہر آن — تا یاد شعر طرہ بہنجار بشکند

بادا حیات ذات تو جفت ثبات دغ — تا آنگہے کہ طاق نگونسار بشکند[۱]

قطب الدین ایبک کے ایک دوسرے درباری شاعر کا نام عوفی نے الصدر الاجل افتخار الملک افضل العصر جمال الدین محمد بن نصیر لکھا ہے جس کی لیاقت و قابلیت کا اندازہ عوفی کے اس بیان سے ہوگا،

"فضل و بزرگی کے فلک پر ایک قطب اور مجد و بزرگواری کے آسمان پر ایک چاند تھا اپنے فضائل میں عدیم المثال، اور فنون میں بے نظیر، بلاغت، و براعت میں تمام معاصرون سے سبقت لے گیا تھا، برسون ملوک جبال کی دولت سے فیضیاب ہوتا رہا،...... اس کے موشحات تمام اطراف مین مقبول ہین،...... مجلس آرائی شہابی اس کی ایک مختصر لیکن بہت مفید تصنیف ہے، اس سے اس کے فضل و کمال کا اظہار ہوتا ہے، اس کے اشعار مین روانت اور فصاحت ہوتی ہے، اور دونون زبان مین اس کے شعر ہین،

(جلد اول ص ۱۱۷)

قطب الدین ایبک نے جمال الدین محمد کے علم کی بھی پوری قدردانی کی اور اس کے التفات شاہانہ سے جمال الدین محمد کی زندگی عیش و عشرت مین گذری عوفی رقمطراز ہے کہ

[۱] لباب الالباب از محمد عوفی جلد اول ص ۱۸۹،

و از اقبال سلطان سعید با عیشے حمید، روزگار گذاشت[۱]

جمال الدین محمد بھی شاہی لطف و عنایت کا معترف ہو کر آقا کی مدح مین قصیدے لکھتا، اور اپنی شاعری کا جوہر دکھاتا، ایک قصیدہ مین لکھتا ہے،

خداوندا شہ گیتی ستانے — کہ شاہان جہانش بندگانند

گہے آثار او در ہند بینند — گہے فرمان او در روم خوانند

چو خصمان از باس او یقین شد — ہم از ہستی خود اندر گمانند

گہے در خدمتش قائم چو تیر اند — گہے نالان ز بیمش چون کمانند

ندارند از جنایت مجرمان باک — اگر از رحمت و عفوش بدانند

ایک دوسرے قصیدہ مین کہتا ہے،

آن مظفر کامگار و آن مؤید نامدار — آن مکرم شہریار و آن مبارک پادشا

عالی در صدر مسند لشکری در خم زین — آسمانے در قبا و آفتابے در کلاہ

صورت بختش چو بر تخت مبارک دید گفت — اینت روشن راے ذات اینت زیبا روے شاہ

آنکہ حلم طبع او وقت طلوع آفتاب — زرد رخ دارد ز خجلت کوہ را مانند کاہ

آخر ماہ از شعاع روی او پنہان شود — اول مہ رخ نماید سر فرو افگندہ ماہ

فرط عدلش آہوان را پاسبان خواہد ز شیر — فیض اقبالش ز سنگ خارہ رویاند گیاہ

باس او گر شعلہ در عرصۂ عالم زند — آتش فتنہ نطق رحمتش جوید پناہ

در بداند لذت عفوش کہ چیست و تا کجاست — ہر زمانے تازہ گردد مرجانے بر گناہ

چون بقوت پاے قدرت بر سر کیوان نہاد — گنبد آئینہ گون کرد از زبان صبح آہ

[۱] لباب الالباب جلد اول صفحہ ۱۱۷،

بر بساط بارگاہ و ساحت درگاہ داوست	گاہ قیصر بار خواہ و گاہ خاقان داد خواہ[1]

قطب الدین ایبک کے دربار کے تیسرے پروردہ شاعر کا نام عوفی نے القاضی الامام حمید الدین افتخار الافاضل علی بن عمر المحمودی لکھا ہے، عوفی اس کے علمی فضائل اور شاعرانہ کمال کا بہت مداح ہے، اس کو "قدوۂ افاضلِ عصر و دانی و متصرف بر ولایت نظم و نثر" کے الفاظ سے یاد کرتا ہے، اور لکھتا ہے کہ

"رسالات و منشآت او درین بلاد مشہور ست و بر زبانہا فضلا مذکور"

ان رسائل و منشآت کا نام معلوم نہ ہوسکا، البتہ اس کے کلام کے نمونے لُب اللباب میں ہیں، سعد الدین مسعود نے ایک بار اس کو ایک قطعہ لکھ بھیجا، اس قطعہ کی ردیف عقیق تھی، جب یہ قطعہ علی ابن عمر المحمودی کے پاس پہنچا تو اس وقت اس کی آنکھیں آشوب کر آئی تھیں، اسی حالت میں اُس نے قطعہ حب ذیل جواب لکھ کر سعد الدین مسعود کو ارسال کیا،

فرزانہ سعد دولت و دین صدر اہل فضل	دور از تو ہست چشم من از درد چون عقیق
در جزع دیدگانم دری کہ داشتم	گشت از مد بعینہ آن در کنون عقیق
از کان عقیق زاید و از بحر چشم من	بر صد و عکس آید ہر دم برون عقیق
زین بیش بحر بودیم ہرگز شبہ نداد	واکنون چہ شد کہ داوم این دہر دون عقیق
ازدیدہ درد دیدہ چو بہتر شود مرا	سازم ردیف مدح توای ذوفنون عقیق

عوفی نے السید الاجل ظہیر الدین تاج الکتاب السرخی کے ذکر میں لکھا ہے کہ

"مدتہا دیوان انشاء سلطان شہید برسم او بود"

عوفی نے "سلطان شہید" کا لقب قطب الدین ایبک اور معز الدین سام شہاب الدین غوری دونوں کے لئے استعمال کیا ہے، میرا خیال ہے کہ ظہیر الدین سلطان معز الدین ہی کی ملازمت میں ہوگا

[1] لباب الالباب ج ۱ ص ۱۱۸، ۱۱۹

کیونکہ عوفی نے قطب الدین ایبک کے حریف تاج الدین یلدز سے ظہیر الدین کے گہرے تعلقات کی کچھ تفصیل لکھی ہے، ظاہر ہے کہ قطب الدین ایبک کے دربار سے وابستہ ہونے کے بعد ظہیر الدین تاج الدین یلدز کے دربار سے منسلک نہیں ہوسکتا تھا، ناظرین کی ضیافت کے لئے اس کی دو رباعیاں پیش ہیں، اس سے اس کے کلام کے رنگ کا کسی قدر اندازہ ہوگا،

(۱)

یک ذرہ چو نیست در منت بستگئی	منمائے دل رخیں مرا خستگئی
کم کن جفا و جور چندانک دلم	خو باز کند از تو باہنگئی

(۲)

اگر سفیہی با تو طریق جور سپرد	جفات گفت و بیازردت از جنون و عتہ
بعافیت نظرے کن بعافیت ببری	مقابلہ چہ کنی مر سفیہ را بسفہ

اس عہد کی مشہور و معروف تاریخ تاج المآثر قطب الدین ایبک ہی کی خواہش پر لکھی گئی تھی، اس کا مؤلف حسن نظامی نیشاپوری[1] تھا، وطن میں سیاسی اختلال و انتشار سے جب اس کی قدر نہ ہوئی، تو قسمت آزمائی کے لئے غزنی پہنچا، یہاں کے زمانۂ قیام میں بہت سے علما و فضلا کے ساتھ اس کے روابط قائم ہوئے، اور یہیں ہندوستان کی دولت کی شہرت سُن کر اپنے چند دوستوں کے ساتھ دہلی روانہ ہوا، اور سفر کی ناقابلِ برداشت تکلیفیں اور مشقتیں اٹھانے کے بعد دہلی پہنچا، اور قاضی القضاۃ شرف الملک کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس نے اس کی بڑی پذیرائی کی، جب اس کی علمی صلاحیتوں کی شہرت ہوئی

[1] پروفیسر عندلیب شادانی نے اپنے ایک مقالہ میں حسن نظامی نیشاپوری کو چہار مقالہ کے مؤلف نظامی عروضی سمرقندی کا لڑکا بتایا ہے، (اردو ادارہ معارف اسلامیہ ۱۹۳۶ء) کشف الظنون جلد اول ص ۲۱۱ میں تاج المآثر کے مؤلف کا نام صدر الدین محمد بن الحسن النظامی مرقوم ہے،

تو اس کے دوستون نے اس کو آمادہ کیا، کہ وہ سلطان وقت کی خواہش کے مطابق اس کے عہد کی تاریخ قلمبند کرے، قطب الدین ایبک نے اسی زمانہ مین اپنے فتوحات کا حال لکھنے کا حکم دیا تھا، چنانچہ حسن نظامی نیشاپوری نے ۶۰۲ھ مین کتاب لکھنی شروع کی، جو ۵۸۷ھ سے ۶۱۴ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد بھی تصنیف جاری رکھی، یہ کتاب اس لئے زیادہ اہم ہے کہ سلاطین دہلی کے حالات مین پہلی تاریخ ہے، مگر چونکہ شروع سے آخر تک بہت مرصع اور مسجع عبارت مین لکھی گئی ہے اس لئے اس کی عبارت آرائی موجودہ مذاق پر گران گزرتی ہے، کہا جاتا ہے کہ اس مین بارہ ہزار سطرین ہین جن مین سے سات ہزار عربی اور فارسی اشعار ہین، حسن نظامی نے یہ کتاب لکھکر ادب و انشا مین اپنی غیر معمولی مہارت و قدرت کا ثبوت دیا ہے، مگر اس زمانہ مین مرصع و مسجع انشا پردازی کے لئے ہندوستان کی فضا ساز گار نہین تھی، اس لئے حسن نظامی کا طرز انشا مقبول نہین ہوا، چنانچہ بعد کی تاریخون مین طبقات ناصری کی زبان بہت آسان اور عام فہم ہے، ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی مین ترصیع سے کام لینے کی کوشش تو کی ہے، مگر وہ بہت زیادہ مرصع ہونے نہین پائی ہے، شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی مین بھی زیادہ عبارت آرائی نہین ہے، یحیٰی سرہندی کی تاریخ مبارک شاہی کی زبان بھی سادہ ہے، مسجع اور مرصع انشا پردازی درحقیقت پرشکوہ اور پر تکلف تمدن کا نتیجہ ہے، جو اس وقت تک پیدا نہ ہوا تھا، تیموری بادشاہون کے دور مین ابو الفضل نے اکبرنامہ مین جو طرز اختیار کیا، وہ اس دور کے تمدن کا لازمی نتیجہ تھا اور یہ تمدن عرصہ تک قائم رہا، اس لئے اکبرنامہ کا طرز انشا بھی مدتون تک جاری رہا، سلاطین دہلی کے زمانہ مین تمدن کے مظاہر مین شوکت و جلال کا تو مظاہرہ تھا، لیکن تصنع اور تکلف سے وہ پاک تھا، اسی لئے اس عہد کی زبان بھی بہت زیادہ پر تکلف نہین تھی، اس کا اطلاق امیر خسرو کی زبان پر کرنا صحیح نہین ہوگا کیونکہ وہ نظم و نثر دونون مین اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیتے اور ہر رنگ مین اپنی زبان و قلم کے جوہر دکھاتے تھے،

تاج المآثر کی تاریخی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ بعد کے تمام مؤرخون نے اس کو ماخذ بنایا ہے، مگر افسوس ہے کہ اب تک کسی اہل قلم یا کسی ادارہ نے اس کو چھاپنے کی زحمت گوارا نہین کی، استاذی المکرم جناب مولانا سید سلیمان ندوی نے آل انڈیا ہسٹری کانگریس منعقدہ مدراس دسمبر ۱۹۴۴ء کے خطبۂ صدارت شعبۂ تاریخ ہند از منۂ وسطی در ۱۳۰۶ء بمطابق ۱۹۲۳ء مین اسکے متعلق ارشاد فرمایا کہ

"حسن نظامی نے تاج المآثر مین بعض غلام سلاطین کے حالات لکھے ہین، لیکن اس کی عبارت آرائی کی وجہ سے اس کی تاریخی اہمیت نہین دی جاتی ہے، اور یہ کہ اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، کہ اس مین واقعات کم اور الفاظ کا طومار زیادہ ہے، شاید اسی لئے اب تک نہین چھپ سکی ہے، اس مین واقعات کم ہون، مگر اس کی سطرون کے درمیان بعض ایسی ضروری چیزین مل جاتی ہین، جن سے اس زمانہ کے بعض تمدنی، ثقافتی اور عمرانی پہلو واضح ہو جاتے ہین، جس طرز کی عبارت اس مین استعمال ہوتی ہے، اس سے اس زمانہ کے علمی اور انشا پردازانہ ذوق کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اس کے شائع ہونے سے اس عہد کے تاریخی اور علمی حالات کا جائزہ لینے مین کچھ نہ کچھ ضرور مدد مل سکتی ہے"

سلطان وقت کے ذوق کی تقلید اس کے ملوک و امرا بھی کرتے تھے، چنانچہ بختیار خلجی نے جب بنگال فتح کیا، تو اس نے اور اس کے ساتھ کے امرا نے تعلیم کی اشاعت کے لئے جا بجا مدارس قائم کئے، طبقات ناصری مین ہے :-

"چون محمد بختیار آن مملکت (یعنی بنگال) را ضبط کرد، ...... بر موضعے کہ لکھنوتی است دار الملک ساخت و اطراف آن ممالک را در قبض آورد و خطبہ و سکہ در ہر خطہ قائم کرد و مساجد و مدارس و خانقاہات در آن اطراف بسعی جمیل او و امرائے او بنا شد (ص ۱۵۱)

اس زمانہ مین علمون کی قدر و منزلت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا، کہ تاج الدین یلدز کا ایک

لڑکا اپنے استاذ سے پڑھ رہا تھا کہ استاد نے تادیب کے لئے غصہ مین ایک کوڑہ لڑکے کے سر پر ماردیا، اتفاقاً اس کو سخت چوٹ آگئی اور وہ تڑپ کر ہلاک ہوگیا تاج الدین یلدز کو خبر ہوئی تو اُس نے استاذ کو بلایا اور زادراہ دے کر کہا کہ قبل اس کے کہ لڑکے کی مان کو خبر ہو تم یہان سے چلے جاؤ[1]،

قطب الدین ایبک کی ایک لڑکی کی شادی ناصر الدین قباچہ اور ایک کی شمس الدین التتمش سے ہوئی، دونون علٰحدہ علٰحدہ سلطنتون کے فرمانروا ہوئے، دونون کی علم پروری اور معارف نوازی مشہور تھی، اس لئے دونون کا دربار بھی علمی حیثیت سے ممتاز رہا،

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۳۳،

بکۂ مبارکہ

از

جناب مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

توراۃ کے اندر مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم سے جب اپنا آبائی وطن چھوڑا تو ارضِ کنعان مین سکم کے مقام سے مورہ تک سفر کرتے رہے، (تکوین ۱۲: ۶) سکم اسی مقام کا نام تھا جسے ان دنون نابلس کہتے ہین، مورہ کا مقام بحث طلب ہے حضرت ابراہیمؑ جب سفر کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے تو یہان اُن کو خداوند عالم کی تجلّی نظر آئی، مقام تجلّی پر انھون نے خدا کے لئے ایک قربانگاہ بنائی (تکوین ۱۲: ۷) توراۃ کے بیان کے مطابق اس مقام کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے بیٹون پوتون نے اور مقامات کو بھی عبادتگاہ مقرر کیا، لیکن قدامت کے لحاظ سے اولین معبد یہی مورہ کے پاس والا تھا،

مورہ نام کے بائبل مین دو مقامات کا ذکر ہے، ایک مورہ جلجال کے مقابل کنعانیون کی سرزمین مین یردن کے پار مغرب جانب واقع تھا، جہان قاضی جدعون کے زمانہ مین بنو اسرائیل اور بنو مدین سے جنگ ہوئی تھی، (استثنار ۱۱: ۳۰ و قاضیون ۷: ۱۰)

دوسرے مورہ کا ذکر زبور مین وارد ہے، بائبل کے مترجمون نے اس مورہ کے ذکر کو پردۂ خفا مین رکھنے کی انتہائی کوشش کی ہے، لیکن حقیقت کا چھپانا نہایت ہی مشکل کام ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کے اشارہ کا اردو مین حسب ذیل ترجمہ کیا ہے،

"اے لشکرون کے خداوند تیرے مسکن کیا ہی دلکش ہین، ۞ میری روح خداوند کے بارگاہون

کے لئے آرزومند ہے، بلکہ گداز ہوتی ہے، میرا من اور میرا تن زندہ خدا کے لئے للکارتا ہے۞ گورے نے بھی اپنا گھونسلا بنایا، اور ابابیل نے اپنا آشیانہ پایا جہان وے اپنے بچے رکھین، تیری قربانگاہون کو اے لشکرون کے خداوند، میرے بادشاہ میرے خدا۞ مبارک ہین وے جو تیرے گھر مین بستے ہین، وہ سدا تیری ستائش کرتے رہینگے، سلاہ۞ مبارک ہین وہ انسان جن کی قوت تجھ سے ہے، اُن کے دل مین تیری راہین ہین[1]،۞

وے بکا کی وادی مین گذرتے ہوئے اُسے ایک کنوان بناتے ہین، پہلی برسات اسے برکتون سے ڈھانپ لیتی ہے،۞ وہ قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہین، یہان تک کہ خدا کے آگے صیہون مین حاضر ہوتے ہین،۞ (زبور نمبر ۸۴)

چھٹی اور ساتوین آیت کا ترجمہ انگریزی مین بھی تقریبًا یہی کیا گیا ہے، اور غالبًا مترجمین نے ترجمہ مین ارادۃً غلطی سے کام لیا ہے، صحیح ترجمہ حسب ذیل ہے،

عبری بعمق ھبکہ	وہ بکہ کے بطحا مین چلتے ہین،
معین یشیتوھو	ایک کنوین کے پاس پھرتے ہین،
گم برکوت یعطہ مورہ	جو برکتین، مورہ کی ڈھانپ لیتی ہین
یلکو محیل ال حیل	وہ قوت سے قوت تک چلتے ہین،
یراء ال الوھم بصیون	خدا سے صیہون سے ڈرتے ہوئے،

مورہ درحقیقت وہی لفظ ہے، جسے قرآن کریم مین ہم بصورت مروہ پاتے ہین خدا نے فرمایا،

انّ الصّفا والمروۃ من شعائر اللہ،	یقینًا صفا اور مروہ اللہ کے شعائر مین سے ہین،

[1] یعنی شرنیین،

زبور نمبر ۸۴ سے ایک بیت اللہ ایک کنوین، اور ایک مروہ کا وادی بکہ مین ہونا صراحۃً کے ساتھ ثابت ہوا، اس سے خانہ کعبہ کی بڑی عظمت اور اہمیت ظاہر ہوتی ہے، ہمارے پادری صاحبان کے نزدیک مناسب نہین ہے کہ لوگون کے دلون مین کعبہ کا احترام پیدا ہو، اس لئے انھون نے زبور نمبر ۸۴ کے ترجمے مین دانستہ غلطی سے کام لیا،

بہرحال بائبل کے اندر مورہ نام کے دو مقامات کا ذکر ہے، جن مین سے ایک جبال کے پاس یعنی ارض فلسطین تھا، اور ایک وادی بکہ مین ہے،

اب سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا معبد کس مورہ کے پاس تھا، ۹ھ مین نجران کے نصرانیون کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا، ان نصرانیون نے جیسا کہ سورۂ آل عمران کی بہت سی آیتون سے معلوم ہوتا ہے، یہود و مسلمانون اور مشرکین کے ساتھ مذہبی بحثین کی تھین، ان بحثون کے درمیان یہ سوال بھی اٹھا تھا کہ ملت ابراہیم کا اولین معبد کون تھا، اس کے جواب مین خدا نے ارشاد فرمایا،

انّ اوّل بیت وضع للنّاس	بے شبہہ پہلا خانہ خدا جو لوگون کے لئے بنایا
للذی ببکۃ مبارکا وھدًی	گیا وہی ہے، جو بکہ مین واقع ہے، مبارک
للعٰلمین	ہے اور سارے لوگون کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے
فیہ آیات بیّنات مقام ابراھیم	اس مین کھلی نشانیان ہین، یعنی مقام ابراہیم
من دخلہ کان آمنًا	ہے، جو اس مین داخل ہوا اس نے امان پائی،
وللہ علی النّاس حج البیت من	اور لوگون پر اللہ کے لئے اس گھر کا حج فرض ہے
استطاع الیہ سبیلا	بشرطیکہ راستہ چلنا ممکن ہو،
ومن کفر فانّ اللہ غنی عن	اور اگر کوئی کافر کہنا نہین مانتا، تو یاد رہے
العٰلمین ۰	اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے،

جبجال کے قریب جو مورہ تھا، اس کے پاس کسی مقدس معبد کا پوری تاریخ یہود کے کسی عہد مین سُراغ نہین ملتا، اسس لئے یقینی طور پر ملت ابراہیم کا پہلا معبد وہی ہے جس کا ذکر زبور نمبر ۸۴ مین ہے اور یہی خانۂ کعبہ ہے،

خانۂ کعبہ جس شہر یا علاقہ مین واقع ہے، اس کا معروف ترین نام بکہ نہین بلکہ مکہ ہے، قرآن پاک مین ایک جگہ مکہ کے نام سے بھی اس کا ذکر آیا ہے، زیر بحث آیت مین شہر کے معروف تر نام کی جگہ غیر مشہور نام کو ترجیح دی گئی ہے، اس کی دو وجہین ہین، ایک یہ کہ اہلِ کتاب کو یہ بتانا مقصود تھا، کہ وہ مورہ جس کے پاس توراۃ کے اندر مذکور معبد اول کو ہونا چاہئے، جبجال کے پاس نہین، بلکہ اس وادی بکہ مین واقع ہے، جس کا زبور مین ذکر ہے، دوسری یہ کہ مکہ دراصل بکہ کے نام کی بدلی ہوئی صورت ہے، تحریری نام اس شہر کا بکہ تھا، لیکن عوام کی زبان نے اُسے مکہ بنا دیا،

سب سے قدیم نوشتہ جس مین ہم کو "مکہ" کا نام ملتا ہے، وہ قرآن مجید ہے، لیکن بکہ کا نام قرآن سے پیشتر زبور مین ملتا ہے، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف جب ۳۵ برس کی تھی تو قریش نے خانۂ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کی، اس زمانہ مین خانہ کعبہ کی بنیاد کے اندر سے چند پتھر ملے، جن پر کچھ عبارتین منقوش تھین، قریش نے یمن سے ایک یہودی اور ایک نصرانی راہب کو بلا کر وہ تحریرین پڑھوائین، ایک پتھر کے ایک پہلو پر لکھا ہوا تھا کہ

انا اللہ ذو بکۃ	مین ہون اللہ بکہ کا حاکم،
حففتھا بسبعۃ املاک حنفاء	مین نے اس کی حفاظت کی سات خدا پرست فرشتون سے،
بارکت لاھلھا فی الماء واللحم	اس کے باشندون کے لئے پانی اور گوشت مین برکت دی

مختلف روایات مین کچھ اور الفاظ بھی ہین لیکن ہم نے جتنے الفاظ نقل کئے ہین، اُن پر سب

روایتون کا اتفاق ہے، روایات کے مطابق یہ نوشتہ کعبہ کی بنائے ابراہیم کے اندر ملا تھا،

یہ عجیب بات ہے کہ قدیم نوشتون کی تحریف کا سلسلہ اہل کتاب نے حضرت یشعیاہ کے قبل سے جو شروع کیا تھا، وہ آج تک برقرار ہے، ہمارے ناظرین شاید حیرت کرین گے کہ جب ہم محرف نوشتہ کی حیثیت سے اس موقع پر ڈوزی کا نام لین گے،

ابھی چند یوم گذرے پادری زویمر کی ایک کتاب مین اس عجیب بات پر نظر پڑی کہ ڈوزی کو خانہ کعبہ مین ایک تحریر ملی ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ

"عہدِ اسیری سے بنو اسرائیل کا ایک طبقہ مکہ معظمہ مین آکر آباد ہو گیا تھا،"

اس حیرت انگیز خبر کو پڑھنے کے بعد ڈوزی کی کتاب "ڈائی اسرائیلیٹن زو مکہ" اٹھا کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ ڈوزی نے صرف بزور تحریف بنو اسرائیل کو مکہ مین آباد کر دیا ہے،

۶۰۵ء مین خانہ کعبہ کی بنیاد سے جو کتبے برآمد ہوئے تھے، اُن کا ذکر اخبار مکہ لکھنے والے تقریباً ہر مؤلف نے کیا ہے، سیوطی نے در منثور مین کئی مؤلفون کے حوالہ سے مندرجۂ صدر نوشتون کا ذکر کیا ہے، ازرقی نے اپنی اخبار مکہ مین، اس کا ایک خاص باب باندھا ہے، اخبار مکہ پر ایک کتاب محمد بن اسحاق الفاکہی نے بھی لکھی تھی جس کا حوالہ مقریزی کی کتابون مین ملتا ہے، ڈوزی صاحب کو الفاکہی کی اخبار مکہ دستیاب ہوئی، اس مؤلف نے نہ صرف روایات کو نقل کیا ہے، بلکہ اصل کتبہ کی تین سطرین بھی نقل کی ہین، جو خود اُس نے ۲۵۶ھ مین پڑھی تھین، ان تین سطرون کو نقل کرکے اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ

"اس قدر نقوش میری سمجھ مین آئے، جو نقوش سمجھ مین نہ آئے، مین نے نہین لکھے جیسا مین نے مخطوطہ دیکھا نقل کر لیا، اور اپنی کوشش مین کوئی کمی نہ کی،

ڈوزی نے الفاکہی کی کتاب سے ان نقوش کو اپنی کتاب کے آخر مین نقل کرکے اس کی تشریح کی ہے، اور ص ۱۵۰ پر عبرانی زبان مین ان سطرون کے حسب ذیل معنی دیئے ہین،

(و) بسیح کل نشی ای ید و (ا و) نکلے سب سرداد یہ :

شلمد و ھو بیبت شلم کے ادر سب لوگ خانہ

× عد توجلد داد مھد خدا کے آرامیون کے زجلد ڈنگ

یہ قرأت محض مصنوعی قرأت ہے اس عبارت کا محض مصنوعی ہونا کتبۂ زیر بحث کی تشریح سے ظاہر ہو جائے گا، اپنی پڑھی ہوئی عبارت کو با معنی بنانے کے لئے فاضل قاری نے حسب ذیل تغیرات سے کام لیا ہے

(۱) پہلی سطر کے آغاز مین اپنی طرف سے واو بڑھایا، تاکہ مستقبل ماضی بن جائے،

(۲) پڑھا "نش" اور اسے "نشی ای" بنا کر با معنی کیا،

(۳) ربت کو با معنی بنانے کے لئے بیبت کر دیا

(۴) سطر سوم کا پہلا نقش پڑھا نہین گیا، اُسے زبردستی یہوہ کا قائم مقام مان لیا، یہ کتبہ مکہ مین تھا، اس کی زبان کو عربی ہونا چاہئے تھا، مگر ڈوزی نے اس کو عبرانی بنایا، اسکا جو زمانہ تحریر فرض کیا ہے، اس مین عبرانی لوگ اپنا مستقل طرز تحریر رکھتے تھے، مگر حیرت ہے کہ یہ کتبہ عبرانی تحریر مین نہین،

ڈوزی نے اپنی کتاب مین بارہا ازرقی کی کتاب کا حوالہ دیا ہے، ازرقی کی کتاب مین بصراحت مذکور ہے، کہ قریش نے یمن سے ایک یہودی اور ایک نصرانی قاری کو بلا کر وہ کتبے پڑھوائے تھے، لیکن ڈوزی نے اس کے برخلاف دعوی کیا ہے کہ

"محمد کے زمانہ مین قریش جب خانۂ کعبہ کی پھر سے تعمیر کر رہے تھے، تو اُن کو چند نوشتے بنیادی پتھرون پر جو ہم نے کندہ کئے ہوئے ملے لیکن وہ ان اجنبی نقوش کو نہین سمجھ سکے"،

یہ صحیح ہے کہ قریش ان نقوش کو خود نہین پڑھ سکتے تھے، لیکن انھون نے دوسرون سے پڑھوا لیا تھا، ۶۰۵ء کی قرأت ہماری کتابون مین بصراحت مذکور ہے، کتبہ کے تین فقرے ہم اوپر نقل کر چکے ہین، ان فقرون کی اصلی صورت تحریر فاکہی کی روایت کے مطابق حسب ذیل تھی،

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ڈوزی نے کسی خاص مصلحت کے مطابق قدیم قرأت سے چشم پوشی کر کے اس عبارت کو ایک نئی آواز اور نیا مطلب دیا ہے، اس نئی آواز اور نئے مطلب کو ڈوزی نے اپنے اشباہ و نظائر کی مدد سے تصنیف کیا ہے، جن کو اصلی نقوش سے بہت دور کا واسطہ ہے، ۶۰۵ء کے یہودی اور نصرانی قاریون نے اشباہ و نظائر کی مدد سے نہین، بلکہ عبارت کو علم نقوش کی بنا پر اس طرح سے پڑھا تھا جس طرح ہم اردو یا ہندی کی تحریر پڑھ لیتے ہین،

ڈوزی کے اشباہ و نظائر سے بے نیاز ہو کر ہم نے جب بطور خود دوسرے اشباہ و نظائر کی مدد سے یہ نقوش پڑھنے کی کوشش کی، تو پہلی سطر بعینہ روایتی مفہوم کی پہلی نظر کے مطابق نظر آئی،

[illegible]

کی تشریح ڈوزی کے اشباہ و نظائر کے مطابق حسب ذیل ہے،

نمبر	نقش		نقش		حرف
۱-	[illegible]	قائم مقام حمیری نقش	[illegible]	یعنی	ی
۲-	[illegible]	" " " "	[illegible]	"	س
۳-	[illegible]	" " پالمیری "	[illegible]	"	ح
۴-	[illegible]	" " پالمیری "	[illegible]	"	ک
۵-	[illegible]	" " حمیری "	[illegible]	"	ل
۶	[illegible]	" " قدیم عبری "	[illegible]	"	ن
۷	[illegible]	" " سردس اڈلر (؟)	[illegible]	"	ش

۸ـ ح ” ” حمیری ” ۹ ” می

۹ـ ـا ” ” حبشی ” Z ” ر

۱۰ـ ھ ” ” حمیری ” ٥ ” و

اس قسم کی بعید مشابہتون سے کام لینے کی آزادی ہو تو کسی عبارت کو کوئی بھی آواز اور مطلب دیا جاسکتا ہے، دوچشمی "ھ" جیسے تین نقوش ہین ہے دو کو ی اور ایک کو واو پڑھا، ـ٦ مصری مین کا کی آواز دیتا ہے، لیکن عبارت کو اپنا کیا ہوا مطلب دینے کے لئے اُسے ـ اور ٦ کا مجموعہ قرار دیکر طٰا اور ح کا قائم مقام قرار دیا، ـا کو ـ کے ساتھ کوئی مناسبت نہین ہے،

شنقہ کے قادیون نے اشباہ و نظائر کی مدد سے یہ عبارت نہین پڑھی تھی، مگر اُن کی طرف سے ذیل مین ہم دوسرے اشباہ و نظائر دیتے ہین،

ھ = [glyph] مصری ا

∩ = ∩ ٥ ن

٥٥ = ٥٥ صفوی ی (مکرر) = انی

M = H حمیری ذ = ذو

⊓ = ⊓ حمیری ب

[glyph] = مصری ک

V = V حجازی ت

نقش بیان کے مطابق توا، کے متعدد نقوش سے ایک

⊔ = ⊔ حجازی ک بکتک

ھ = [glyph] مصری ا

ـا = ـا حجازی ل

ھ = [glyph] مصری ا الہ

اشباہ و نظائر کی مدد سے ہم نے پڑھا ہے، "انی ذو بکتک اللہ" (مین ہون بکے کا اللہ) ایک دیر ینہ روایت نے اسی مطلب کو "انا اللہ ذو بکہ" کے لفظ مین ادا کیا ہے، (مین ہون، اللہ بکہ کا حاکم)

سطر دوم کو ڈوزی نے حسب ذیل طریقہ سے پڑھا،

⊔ = [glyph] میروس اڈلر (؟) ش

[glyph] = [glyph] حمیری ل

□ = □ عبری م

[glyph] = [glyph] پالمیری و

[glyph] = [glyph] حمیری ہ

◁ = ▽ قدیم عبری ع

□ = □ عبری م

⊓ = ⊓ حمیری ب

☒ = ⊓ × حمیری ب ت

ان نقوش مین سے اولین نقش کو شین کی بجائے کاف پڑھنا چاہئے، کسی طرز تحریر کی شین سے نقش اول کو مشابہت نہین، نقش چہارم سطر اول کی تشریح کے مطابق الف ہے، ا، ہمدانی کے مطابق حمیری ف کی شکلون مین سے ایک ہے، جسے فو، فا، اور فی پڑھا جا سکتا ہے، □ چوکور شکل ربع مسکون کی صورت ہے، مصری تحریرون مین زمین کی ایک شکل یہ ہے کہ عربی مین اسے ہم الارض پڑھ سکتے ہین، ⊓ کو ∩ کی بدلی ہوئی شکل بھی باور کیا جاسکتا ہے، ∩ دراصل آسمان کی شکل ہے، جسے اہل مصر

تو کہتے تھے، عربی مین ہم اسے السماء پڑھ سکتے ہین،

مصری مین دیوتا فتاح کا نام ہے، جس کا عربی ترجمہ خلاق ہے، دوسری سطر کو ہم دائین سے بائین

پڑھین تو اس کا مطلب ہوا،

کل ما ھا فی الارض (و) السماء — ہر چیز جو ہے آسمان مین اور زمین مین

خلق — وس نے بنائی،

ھا کے معنی ہم نے "ہے" بتائے ہین، اس پر تعجب نہ کیجئے، ھایا (ماضی) اور ہیی (حال) عبرانی مین

یہی مطلب ادا کرتے ہین، کوئی عورت اگر کسی مرد کو پیغام دیتی تو کہہ سکتی تھی ھیتی لک = مین تیری ہون

یہی عبرانی فقرہ ذرا متغیر ہو کر سورۂ یوسف مین امراۃ العزیز کی زبان سے وارد ہے کہ "ھیت لک"

یہ قرأت سطر دوم کی ہم کو زیادہ پسند ہے، مگر ۶۰۵ء مین قریش نے جن یہودی اور نصرانی قاریون

سے یہ عبارت پڑھوائی تھی، انھون نے سطر دوم کو غالباً بائین سے دائین پڑھا تھا،

عربون کی سمت تو ار کے مختلف اشکال مین ایک × ہے، تو ار کی شکل تو ہی (ہلاکت) پر دلالت

کرتی ہے، یہ دراصل ٹانگ پر رکھی ہوئی ایک چھری کی شکل تھی، جیسا کہ مصری تحریرون سے ظاہر ہے، اس کو

گھیر دینے یا سمت تجیر ∩ کے اندر رکھ دینے سے نقش کا مطلب تباہی سے بچانا ہو جاتا ہے، اس تشریح کے بعد

اب دوسری سطر بائین سے پڑھئے،

⊠ = خفظت =

⊓ =
□◁ = ۴+۳=۷، — ببعہ
ب = ۵

ف ۰ ا
□ . م
ح ل
ں . ک
— افلاک

اس کے ساتھ تیسری سطر کے پہلے تین نقوش دائین سے بائین بڑھائیے،

ح = حن (انحنا کی شکل)
△ = ن — خفا
ا = ا

اس قرات اور رواتی قرأت مین فرق صرف یہ ہے، کہ خفظتھا کو روایت نے حفضتھا کر دیا،

تیسری سطر کے باقی نقوش کو قدیم روایات نے پڑھا تھا، بارکت لا ہلھا فی الماء و اللحم، بعض

روایات مین اللحم کے بجائے اللبن کا لفظ ہے، تیسری سطر کے آخری تین نقوش صوبحا ما لحم او لبن پڑھے

جاتے ہین، ما دراصل ع□ کی بدلی ہوئی شکل ہے، یہ پانی کی لوٹیا اور دست و بازو کی شکل ہے، مصری

ہیروغلافی مین اس کا مطلب پانی ہے، ⌂ پارچہ گوشت کی شکل □ اینٹ کی شکل جسے لبن بھی کہتے ہین

لبن کے دو معنی ہین دوسرا مفہوم دودھ ہے، پانی اور گوشت کے مناسب یہی دوسرا مفہوم ہے،

باقی نقوش سطر دوم کے اشباہ و نظائر سے مدد سے روایت کے مطابق ہم نہین پڑھ سکے، لیکن ہم کو

پورا وثوق ہے، کہ صحیح قرأت یہی تھی، جو مروی ہے، اس لئے اس قرأت کے مطابق ہم کو باقی نقوش کی آزمائین

مقرر کرنا چاہئین،

کتبہ کی صحیح قرأت کے مطابق خانۂ کعبہ کے جائے وقوع کا نام زبور سے بھی قدیم زمانہ سے بکہ تھا، یہ

کتبہ بذات خود اس بات کا ثبوت تھا، کہ خانۂ کعبہ نہایت قدیم معبد ہے،

دو کتابین

از

جناب شیخ فرید صاحب ایم اے

(۲)

المعتمد فی المعتقد "المعتمد فی المعتقد" موسوم بہ "عقائد تورپشتی" کے تین نسخے زیر نظر ہین،

کیفیتِ مخطوطہ[1]، ۹½×۵½ تقطیع کے، ۱۲۶ ورقون پر مشتمل ہے، ہر صفحہ مین ۱۵ سطرین ہین خط خوشنما نسخ، روشنائی سیاہ، کاغذ دبیز بادامی ہے، مخطوطہ کے آخری چند اوراق کا نچلا حصہ کیڑے کھا گئے ہین، حاشیے زیادہ کرم خوردہ ہین، حلِ لغاتِ مشکلہ حواشی پر درج ہے،

خاتمۂ کتاب پر یہ عبارت ہے،

تمت نسخۃ الشریفۃ المعتمد فی المعتقد......[2]الاعظم

السعید الواصل الی رحمۃ اللہ......المجید معتقد ی

الامنہ اشھاب الحق والدین فضل تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ

قوبل بالاصل......بقدر الوسع والامکان......راقم این رقیمہ

سید عبداللطیف ولد سید ولی دولت آبادی

---

[1] مولوی سید احکام اللہ صاحب بخاری امام جامع مسجد برہان پور کے ذاتی کتب خانے مین یہ نسخہ موجود ہے،

[2] نقطون کی عبارتین کرم خوردہ ہین،

"قوبل بالاصل" سے ظاہر ہے کہ اصل نسخہ سے نقل یا مقابلہ کیا گیا ہے، کاتب کا نام سید عبداللطیف دولت آبادی ہے، سنہ کتابت درج نہین،

نسخہ ب تقطیع ۱۰×½ ۵، اور ۲۴ سطرون کے ۲۷۰ صفحات پر مشتمل ہے، روشنائی سیاہ، عنوانات شنگرفی ہین، مخطوطہ کیڑون کی زد سے محفوظ ہے، کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہین، سرورق پر تحریر ہے:-

"عقائد تورپشتی المسمی بالمعتمد فی المعتقد موافق سنت وجماعت تصنیف شہاب الدین تورپشتی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی در شرح و ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح و در ہر مقدمہ سند از تورپشتے

کرمی آورد ہمین است"

مخطوطہ اور سرورق کی تحریر اور روشنائی کا فرق ظاہر کرتا ہے، کہ موخر الذکر تحریر بہت بعد کے زمانہ کی ہے،

نسخہ ج یہ نسخہ مطبوعہ ہے کسی سلطان محمود صاحب نے محمد عبدالرزاق ناظر تاجر کتب بنگلور کی فرمایش پر مطبع مظہر العجائب مدراس سے ۱۲۸۰ھ مین شائع کیا تھا، اوّل ص پر تحریر ہے:-

"نسخۂ معتبرہ در عقائد سنت وجماعت تصنیف شیخ ابو عبداللہ فضل اللہ مسمّٰی بمعتمد فی المعتقد معروف بہ عقائد تورپشتے"

کاغذ بادامی اور کتابت وطباعت معمولی ہے، تقطیع متوسط اور صفحات کی تعداد ۲۵۸ ہے، مصنف کے دیباچہ سے پہلے کسی شاگرد کا عربی زبان مین دیباچہ ہے،

عربی دیباچہ قال مولانا الصدر الاعظم الامام المعظم کہف الاکابر والاماجد، منبع الجود والکرم، العالم الکبیر البارع، المجتھد النحریر علم الھدی علامۃ الوری، قطب الاولیاء وارث الانبیاء

صدر الشریعۃ محی السنۃ قامع البدعۃ ملک الکلام فخر سلطان
العلماء والمفسرین ملک المشائخ والمحدثین، شہاب الحق و
الدین، شیخ الاسلام والمسلمین، مبین المعانی نعمان الثانی
برہان الحقائق نصاب الدقائق، ابو عبد اللہ فضل اللہ بن الامام
السعید المرحوم والمغفور تاج الدین ابو سعید الحسن ابن الحسین
بن یوسف التوربشتی، سد اللہ ارکان شریعتہ بعلو درجتہ وقوض
خیام اہل البدعۃ لسمو ہمتہ

شعر:-

وایّد لا اللہ یغفرانہ ٭
واسکنہ بحبوحۃ جنانہ ٭

اللّھم انا نحمدک حمدا یلیق بکبریائک ونصلی علی محمد صفوۃ
اصفیائک وخاتم انبیائک وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

فارسی دیباچہ میں اسکے متعلق یہ تصریح ہے:-

"این دیباچہ تلمیذ است بر دیباچہ استاذ، وقاعدہ است کہ تلمیذ ارادت مند گاہیکہ
از نسخہ مصنفہ استاد بہرہ یاب می شود پس در تشکرانہ ان دیباچہ از جانب خود مشعر بر تعریف
و توصیف استاد بر کتاب می نویسد"

اس دیباچہ کا فارسی ترجمہ بھی ہے،

مطبوعہ نسخہ مخطوطات سے زیادہ محشی و مشرح ہے، حل لغات مشکلہ اور تفسیر آیات قرآنی
کے علاوہ مختلف مباحث اور مقامات پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے، اس ضمن میں غیاث اللغات

کشف اللغات، منتہی الارب، تفسیر حسینی، عقائد جیبنی، تذکرۃ المذاہب، صراح، نور الابصار، المبسوطات،
شرح مشکوٰۃ، مشکوٰۃ شریف، عقاید بری صاحب، مزرع الحسنات، مکتوبات یحییٰ منیری، سراج
العقاید، فتاویٰ برہنہ، کشف الغطاء، شرح عقائد نسفی، عقائد حافظیہ، شرح فقہ اکبر، کتاب فتاویٰ
وغیرہ سے مدد لی گئی ہے،

استاذی المحترم مولانا مولوی اختر محمد خان صاحب رام پوری متوطن برہان پور نے عقائد توربشتی
کا اردو ترجمہ موسوم بہ "الصراط السوی" کیا ہے جس کو ملک چنن الدین لاہوری نے شائع کیا ہے،
کتاب کے شروع میں ۳۷ صفحات کا ایک پُرمغز مقدمہ ہے، اور کتاب کے آخر میں ۱۰ صفحات
کا تکملہ ہے،

حالات توربشتی فضل اللہ بن حسین نام شہاب الدین لقب ہے، اپنے زمانہ کے امام محقق، شیخ
مدقق، محدث ثقہ، فقیہ جید صاحب تصانیف کثیرہ تھے، بغوی کی مصابیح السنۃ کی نہایت عمدہ شرح
مسمّیٰ بالمیسّر لکھی، دوسری تصنیف مطلب الناسک فی علم المناسک چالیس ابواب پر مشتمل ہے، اس میں
غالباً احادیث سے مناسک حج کو لکھا ہے، ۶۶۱ھ میں وفات پائی، تاریخ وفات "محدث
نبیل ملک" ہے[۱]،

امام موصوف کے حالات اور دوسری تصانیف کا پتہ نہ چل سکا، عقائد توربشتی کے دیباچہ
سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اتابک سعد زنگی والی شیراز (۵۹۹ھ تا ۶۲۳ھ) کے زمانہ کے
فاضل اجل اور جید فقیہ تھے انتساب کی عبارت کے بعض فقروں سے قیاس ہوتا ہے، کہ سلطنت کی
جانب سے وظیفہ مقرر ہوگا، جس کی حق گذاری میں بطریق احسان شناسی ابوبکر سعد زنگی کے نام
پر کتاب معنون کی گئی ہے،

[۱] حدائق الحنفیہ ص ۲۵۸،

سبب تصنیف کتاب کے دیباچہ مین امام تورپشتی نے تصنیف کا سبب اپنے عہد کے "مسلمانون کے ضعفِ ایمانی اور اسلامیات کی جانب سے اُن کی غفلت اور بے پروائی" کو قرار دیا ہے، اس رسالہ مین کتاب و سُنّت سے عقائد کو بیان کیا گیا ہے،

"چون رغبت بے علمان در طلبِ شناختنِ حق و دانستن معتقد برگزیدگانِ امت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طریق ایشان را در دین داری سوادِ اعظم خواند، فاتر یافت و ہمت علمائے زمانہ از ارشاد و تنبیہ ایشان کہ واجبِ مسلمانی و حقِ نصیحت است قاصر، و فتنہ ہائے بے اندازہ از قبلِ اہلِ ہوا و اصحاب شبہات و داعیانِ ضلالت بضعفائے اُمت محیط دید، در خاطر آمد کہ معتقدے ساختہ شود بپارسی مشتمل بر بیان آنچہ درین زمان طالبان را بہ بیان آن حاجت اند، مقرر بر قانون کتاب و سنت و موسس بر قاعدۂ قرن اول کہ عالمانِ راسخ و سلفِ صالحِ اُمت اند"[1]

سنہ تصنیف باب سوم کی دوسری فصل مین شرائط امامت کے ضمن مین "عصمتِ امام" کی بحث مین لکھتے ہین،

"مذہب این قوم کہ مدعیانِ عصمت اند، در امامت آن ست کہ بر خدائے تعالیٰ واجب شناسد کہ آنچہ صلاح بندگان در آن بیش باشد، در حقِ ایشان رعایت فرماید، و بزعم ایشان نصب امام معصوم از مقتضیاتِ مصالح بندگان است، بلکہ مصالح ایشان بوی مرہون است و بقول ایشان از خداوندانِ عصمت جز دو کس خلافت نکردہ اند، امیر المومنین علی و امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہما، و زمانِ خلافتِ ایشان پنج سال و دو ماہ بود و مذہب ایشان در رعایتِ اصلاح بر ایشان حجت می شود، چہ ما می گوئیم، در دیگر قرن کہ شش صد و سی سال

[1] مطبوعہ نسخہ ص ۴،

گذشت آن امام کہ بود و کجا بود......"[2]

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ اس باب کا سنہ تحریر ۶۳۰ھ ہے، اتابک سعد بن زنگی جس کے نام سے یہ کتاب معنون ہے، ۶۲۳ھ مین تخت پر بیٹھا[3] اس لئے یہ ۶۲۳ھ کے پہلے کی تصنیف نہین ہو سکتی، اور عام حالات مین ایسے رسالہ کی تصنیف مین ایک سال سے زیادہ عرصہ نہین لگ سکتا، مطبوعہ کتاب کے حاشیہ پر سنہ تصنیف ۶۳۰ھ ہے، اس کا سنہ تصنیف ۶۳۰ھ ہی قرار دیا جا سکتا ہے،

انتساب کتاب فاضل محدث نے یہ کتاب سعد کے نام سے معنون کی ہے، اور اس کا یہ سبب لکھا ہے،

"از روے درایتِ تدبیر چنان خواست کہ این کتاب از طرف حضرت مستغنیے باشد و بنام صاحب دولتے معنون گردد تا واقع آن در دلہائے عوام کہ بوازع سلطانی مفتقر اند، افزون تر باشد، و خطاے آن در دیدہ ہائے کہ در علم نفاذے ندارد و بحکم تقلید، بزرگتر، ازین وجہ آن را بہ ذکرِ نیکِ برگزیدہ خدائے بپادشاہی نقیبہ صالحہ ملوک و سلاطین اسلام پادشاہ نیاز مند، دین پرور رحم دل، درویش نواز اتابک ابوبکر سعد بن زنگی کہ ہموارہ در نظر و کنفِ خدائے باد معنون گردانید......"

و ہیچ حق گذاری در جنب رعایت احسان وے "تمام تر ازین خدمت ندانست......"

بعد مین اس رابطہ کو ولی عہد کے ذکر سے استوار کیا ہے، بیان کیا ہے، کہ اس کتاب کی ترتیب و تالیف مین معظم نظر سعد کی خدمت تھی،

ترتیب اس کتاب مین تین باب ہین، اور ہر باب مین دس فصلین،

باب اول:- در ایمان بخداے عز و جل،

[2] قلمی نسخہ ص ۱۱۳ [3] حبیب السیر جلد دوم جزو چہارم ص ۱۲۹ "سلطنت اتابک سعد بن زنگی ممدوح شیخ سعدی علیہ الرحمہ از سنہ ششصد و بست و سہ الی سنہ ششصد و پنجاہ و ہشت بودہ است" [4] مطبوعہ نسخہ ص ۱۶۹،

باب دوم :- درایمان بفرشتگان وکتاب ہا، وپیغمبران وانچہ بعد از مرگ است"

باب سوم :- درمسائل اعتقادی برموجب کتاب سُنّت وجماعت است "

کتاب کی اہمیت اور اس کی خصوصیات

عقائد اہلِ سُنّت والجماعت مین اہم کتاب ہے، مسائل آسان عبارت مین اور مدلل بیان کئے گئے ہین، اور تحقیق مین بڑی احتیاط برتی گئی ہے،

"حق میداند کہ درانچہ گفتیم بسیار احتیاط کردیم واز اصطلاحاتِ دیگران احتراز کردیم"

اصولِ اعتقادات مین سے صرف اُن ہی عقائد کو لیا گیا ہے، جو عام مسلمانون کی سمجھ مین آسانی سے آسکتے" ہین، اکثر علمائے کرام نے اپنی تصنیفات و تالیفات مین اس کے حوالے دیئے ہین[1]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "اشعۃ اللمعات" کے مقدمہ مین اس معتبر تصنیف کا ذکر اکثر مقامات پر کیا ہے، علامہ برہان مسکین نے اپنی کتاب "عقائد موسوم بہ ارشاد المسلمین" مین اس کتاب کے بہت سے مسائل نقل کئے ہین، حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے ایک مکتوب (نمبر ۱۹۳ در دفتر اول) مین لکھا ہے، کہ عقائد حقہ کی درستی کے لئے امام تورپشتی کا رسالہ نہایت مناسب اور عام فہم ہے، محمد جمیل ابن ابوتراب البدخشی نے اپنی کتاب عقائد اسلامیہ منظوم (قلمی) مین اس کتاب کے جابجا حوالے دیئے ہین،

---

[1] دیباچہ الصراط السوی ص ۳۵

مخطوطہ شرح نصاب بدیع العجائب

از

جناب ملک ابویحییٰ امام خان نوشہروی

مخطوطہ نصاب جامع (روپ نرائن کھتری) کا سراپا معارف اکتوبر ۶۲ء مین نکتہ سنجان علم و ادب کے حضور مین پیش ہوا تھا، اس مضمون مین ایک دوسرے نادر مخطوطہ بدیع العجائب کا تعارف مقصود ہے جس کا اشارہ مضمون سابق مین کیا جاچکا ہے،

نصاب بدیع العجائب کا متن حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف اور اس کی شرح امان اللہ سنبھلی نے کی ہے، جیسا کہ ورقِ آخر مین مرقوم ہے،

"خامہ سپاس بے قیاس صانعے راکہ در دیوان ازرقی شعار آسمان نظم پروین ونثر نسرین رقم زدہ .... یعنی شرح نصاب بدیع العجائب کہ مشتمل بر قطعات غرائب ولغات عجائب است بعرض چند ہفتہ چون ماہ دو ہفتہ بجد تمام بدستیاری این ذرہ خاکسار مہر خواہ امان اللہ سنبھلی رسیدہ .... در روز مراد ہفتم شہر یور ماہ الٰہی اتمام یافت .. تمت تمام من نصرت اللہ وتوفیقہ شرح نصاب بدیع العجائب تصنیف حضرت امیر خسرو دہلوی نور اللہ مضجعہ بید احقر العباد عاصی محمد قاسم ادہمی، بتاریخ شب چہارم شہر رجب المرجب ۱۱۸۱ ہجری نبوی روز سہ شنبہ بہ دستخانہ لالہ نہمل صاحب قلمی یافت"

محمد قاسم ادہمی، اور لالہ نہمل دونون وہی اصحاب ہین، جن کا ذکر مضمون نصاب جامع (معارف

اکتوبر ۱۹۴۷ء ص ۲۹۰) مین گذرا،

شرح نصاب بدیع العجائب کا ورق اول غائب ہے، مسطر ۱۵ سطری اور اوراق کا شمار اسکے دوسرے صفحہ کی ابتدا لفظ باید سے ہوتی ہے، یعنی

"باید ساخت کہ تا آشنایان بحر معانی بے دستیاری شناوران دریاے دانش بے بساحل مقصود بردہ گوہر مراد بدست آرند، و تشنہ لبان وادی سخن بے استمداد خضر نشان چشمۂ ہدایت بر سر عین الحیواۃ معانی مطلوبہ فائز گردیدہ شیرین کام و سیراب شوند، اگرچہ در آئینہ زنگار خوردہ طبعم از بس پریشانی و حیرانی صور این خیال محال می نمود .... باوجود دو دلی و سراسیمگی حواس دروں معانی لغات نصاب مسطورہ از صراح و دستور الاخوان و موید الفضلاء و فرہنگ جہانگیری وغیرہ بسنہ ۱۲۱۳ یکہزار و یکصد و سیزدہ ہجری استنباط و استخراج نمودہ .... واللہ ولی وبہ التوفیق والارشاد ومنہ المبدا والیہ المعاد" (ص ۳)

اصل متن منظوم، اور شرح سنبھلی منثور ہے، اشعار مبوب بعنوان القطعۃ الاولیٰ، اور بعض ابواب کی سرخی مین الف ولام نہین ہے، مثلاً قطعہ سادس، کل ابواب ۲۷ ہین، لغات کی تعداد ۶۶۰ اور لغات مکرر ۱۲۰ ہین، کہ بسبب ضرورت تصنع تکرار آمدہ اند[1]، لغت تازی ۲۸ ہین، نمونہ یہ ہے،

"القطعۃ الاولیٰ فی البحر الرمل المثمن[2]"

ہم چو جامی دہ خدایا عشق مطلق جاودان   سوختن لذت دہد نے ساختن با دل ستان

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات   رمل مقصور است با جنس تام از نکتہ دان

مصر شہر و شہر و ماہ و ماہ و آب خون ہم   ہم تیر واحجہ چہ بال باشد بال[3]
ع ت ع ف ع ف ع ف   ع ت ع ت ف ف ع ف

امان اللہ کی شرح مختصر مگر جامع ہے، اور اس کا نمونہ یہ ہے:-

"در تمام این قطعہ اولیٰ صفت تجنیس تام واقع گردیدہ، و آن این ست کہ منشی یا

[1] از ورق آخر شرح امان اللہ سنبھلی [2] باب وعلامات تحت اللغت تنگر فی ہین،

شاعر در نظم یا در نثر دو لفظ یا زیادہ ازان بر وجہے ذکر نماید کہ متحد باشند در حرف و ترتیب اعراب و مختلف شوند در معنی چنانچہ شہر و شہر یکے ترجمہ مصر و دیگر عربی ماہ ست، مصر بکسر میم ......"

شعر مذکور الصدر کے ایک ایک لفظ کی لغت منقول ہے، اور جن کے معنون مین تعدد ہے انکی شارح نے تفصیل کر دی ہے، مثلاً لفظ تیر کی شرح مین لکھتے ہین کہ

"بزبان فارسی بست و پنج معنی دارد، اول معروف، دوم اسم فرشتہ کہ بر ستوران موکل است سیوم نام ماہ چہارم بود از سال شمسی و اہل ہند آنرا ساون گویند، چہارم نام روز سیزدہم است از ہر ماہ شمسی پنجم بمعنی حصہ و بہرہ و حظ و نصیب آمدہ، نظری بمعنی ماہ و روز و حصہ گفتہ ست

بروز تیر و ماہ تیر و مہر تیر عزم شادی کن   کہ از سپہر ترا فتح و نصرت آمد تیر

ششم عطارد گویند (عطارد کے بعد را چاہیے) ہفتم قہر و غضب و خشم را مانند، ہشتم بمعنی تنگ آمدہ کہ آنرا بتازی ضیق خوانند، نہم تیرہ و تاریک بود، دہم فصل تیر را مانند و آن فصل را خزان نیز گویند، یازدہم قدر و مرتبہ باشد شیخ فیضی گفتہ"

قسم بقبضۂ قدر و کمان قدرت تو   کہ با تو نیست کس از روزگار در یک تیر

دوازدہم تیر چوب راست را گویند و تیرے کہ خانہ بدان بپوشند، و تیرے[1] کہ میان کشتی نصب کنند و بادبان آویختہ و تیر عصاری[2]، سیزدہم صاعقہ یعنی برق را مانند چہاردہم شگوفہ خرما باشد پانزدہم طاقت بود، شانزدہم نام از نوعے مار است ہفدہم جنس از مرغ بود ہژدہم تیر خامہ بود، نوزدہم مور را گویند، بیستم تگرپاس را گویند بست و یکم نام نرگس است، بست و دوم چیزے را گویند کہ از انواع اجناس خود بہتر باشد، بست و سیوم گولہ توپ و تفنگ و امثال آن بست و چہارم رشتہ را گویند، بست و پنجم تکیہ را خوانند، چنانچہ از شیخ مصلح الدین شیرازی

[1] یہ ہر سہ لغت (۱) و (۲) و (۳) بھی تعداد مین شریک ہوسکین تو (لفظ تیر کے) ۲۸ معنی ہوتے ہین،

شیرازی است ۵

چو تیرے تو دارد بہ رش مزن ما من (۹) (فرہنگ جہانگیری ص ۴)

یہ آج سے ڈھائی سو سال قبل کی تحقیق و تفصیل کا انداز تھا، جب کہ نہ کتابون کی یہ فراوانی تھی، اور نہ سفر کی یہ سہولتین، اور کتب نوادر بھی کم تھے جن پر موجودہ محققین کی تحقیق و اکتشاف کا مدار ہے، ان مین جدید کیٹلاگ کو بھی شامل کر لیجئے، پھر امان اللہ سنبھلی جیسے غیر معروف لغت دان کی تلاش و تجسس کی داد دیجئے،

اور قطعۂ ثانی در بحر رمل مسدس، مشتمل بر صنعت قلب بطریق لف و نشر مرتب"

"و آن باشد کہ منشی یا شاعر در نظم یا در نثر لفظے یا عبارتے را بوجہے ذکر کند کہ ہمہ حروف و آن آن منقلب شوند و از ان لفظے دیگر حاصل بود" (ص ۱۹)

اور قطعۂ ثالث در بحر مذکور مشتمل بر صنعت قلب مستوی بطریق لف و نشر مرتب"

"و آن آن باشد کہ منشی یا شاعر در نظم یا در نثر لفظے و عبارتے را بنوعے بیارد کہ ہم راست و ہم از آن

توان خواند و ہم از کون چنانکہ درین قطعہ ظاہر است" (ص ۲۲)

نصاب بدیع العجائب مین اٹھارہوان قطعہ "مشعر بر لغت معربہ" بھی ہے،

"و تعریب آن باشد کہ منشیان تازی و شاعران حجازی چند الفاظ فارسی را

باندک تغیر عربی کنند و میان خود مصطلح سازند، چنانچہ درین قطعہ است" (ص ۵۲)

اور آخری قطعہ "سابع عشرین بر صنعت منقوط الحروف" ہے،

فیض بخشش نفض جنبش خشف تیز
ع ف ع عف ع عف

کشف ضیق و جذب تق و جنق تیز
ع عف ع ع عف ف

"و آن آن باشد کہ منشی یا شاعر در نظم یا در نثر الفاظ بیارد کہ ہمگی حروف آن

۵ علامت عف شاید ایسے الفاظ کے لئے ہو جو عربی اور فارسی دونون مین مستعمل ہین،

منقوطہ باشند" (ص ۶۲، ۶۱)

الغرض زیر نظر نصاب اور اس کی شرح دونون اسی طرح حروف و معانی کے بدائع و عجائبات سے معمور ہین،

ختم کتاب کے بعد جو بیاض رہ گئی اس مین بھی کاتب محمد قاسم ادہمی نے من جملہ اور اشعار کے طاہر وحید کی اس غزل کے یہ شعر زیب قرطاس فرما دیئے ہین،

گر نظرم فتد بہ تو چشم بچشم مو بمو
شرح دہم غم ترا نکتہ بنکتہ مو بمو

اس شعر کے لفظ شرح کو اس کتاب شرح نصاب بدیع العجائب سے بھی پوری مناسبت ہے یعنی ع شرح دہم غم ترا نکتہ بنکتہ مو بمو،

ادبیات

اللہ کی نشانیان

"ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکاراند"

از

جناب یحییٰ اعظمی

یہ چاند، سورج یہ کوہ و دریا — یہ مرغ و ماہی یہ وحش و طائر
یہ سقفِ گردون، یہ بزمِ انجم — ارض و سما کے آثار ظاہر
یہ پھل، یہ پتے، یہ گل، یہ غنچے — درس و حکم کے اوراقِ طاہر
معمور جن سے صحنِ چمن ہے — وہ رنگ و بو کے سارے مناظر
رنگت پہ جن کی رقصان ہے بلبل — نکہت سے جن کی بیخود ہے شاعر
یہ جو پہاڑون کے دامنون مین — چشمے ہین جاری شفاف و طاہر
ہین کس کی فطرت کے یہ کرشمے — ہین کس کی قدرت کے یہ مظاہر
کس نے بنائے ہین یہ عجائب — کس نے سجائے ہین یہ نوادر
برگ و شجر ہون یا سبزۂ و گل — ہر ایک ذاکر ہر ایک شاکر
یہ ابر و باد و خورشید و انجم — گردش مین پیہم ہین کس کی خاطر
خود جان نوازی کو یہ ہوائین — خدمت مین کس کی رہتی ہین حاضر
کس کے لئے ہین سب کارفرما — اک لمحہ تم بھی سوچو تو آخر

یونہی نہین یہ پیدا ہوئے ہین — دیتے ہین یہ کچھ درسِ بصائر
فکر و نظر کا ہے باز و دفتر — درکار لیکن ہے چشمِ غائر
مامورِ خدمت ہے ذرہ ذرہ
اے وائے گر خود انسان ہو قاصر

اعتدال

از جناب شفیق صدیقی جونپوری

طاقت ہو تو ملحوظ رہے حسنِ نظر بھی — فولاد کے بازو ہون تو چہرۂ گل تر بھی
شیرانہ گرج چاہیے آواز مین لیکن — کچھ درد بھی ہو شور بھی ہو کیف و اثر بھی
ہمت ہے جلانے کی بجھانا بھی تو سیکھو — پانی بھی ہو شبنم بھی ہو شعلہ بھی شرر بھی
مغرور کی محفل ہو تو مسند کو بھی ٹھکرائے — مزدور کا مجمع ہو تو ہو شیر و شکر بھی
ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دے اخلاق ہو ایسا — ٹکرائے تو پھر توڑ دے باطل کی کمر بھی
کچھ نقش ہو کچھ رنگ ہو کچھ تاب و توان ہو — شہباز کے پنجے بھی ہون طاؤس کے پر بھی
بافیض ہو دریا کی طرح ظاہر و باطن — ہو سطح پہ کشتی تو نہان تہ مین گہر بھی
بند آنکھین ہون تو عرش برین دیکھ رہا ہو — غافل ہو خود اپنے سے زمانے کی خبر بھی
سجدہ کرے تو خاک کے ذرون پہ جبین ہو — لے ہاتھ مین پرچم تو جھکین شمس و قمر بھی
دل اتنا جفاکش ہو کہ کانٹون پہ بھی نیند آئے — بستر پہ کبھی پھول بھی ہو برگ و ثمر بھی
حلقے مین لئے پھرتے ہون مغرب کے گل اندام — دامن کی قسم کھاتی ہو حورون کی نظر بھی
خدمت کا بھی جذبہ ہو جلالت کا بھی احساس
ہاتھون مین علم ہو در خیبر پہ نظر بھی

غزل

از جناب مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے لکچرار مسلم یونیورسٹی

تمھاری یاد مین شام و سحر کی — کہانی ہے یہ اپنی عمر بھر کی

محبت اور پھر اُس کی محبت — جسارت دیکھئے تب و جگر کی

یہ کس کا روے انور ہے نظر مین — پلک جھپکی نہین شمس و قمر کی

بہہ جاتے ہین آنسو بے تکلف — لُٹی جاتی ہے دولت چشم تر کی

ملے گویا جہان کی ساری نعمت — جو لذت پایئے آہ سحر کی

اُسی سے رونقِ بزمِ جہان ہے — اُسی سے آبرو لعل و گہر کی

اُسی سے خلوتِ دل رشکِ فردوس — اُسی سے تازگی فکر و نظر کی

عزیز اس زندگی سے موت بہتر — جو یون ہی عمر فرقت مین بسر کی

کیا ہو گا......؟

از جناب خاور لکھنوی

تماشہ گردشِ لیل و نہار کیا ہوگا — یہی روش ہے تو انجام کار کیا ہوگا

ہر ایک موڑ پہ اک طرحِ نو تمنا کی — مآلِ زیست دلِ بے قرار کیا ہوگا

نفس نفس مین تمنا مگر نظر مین سکون — کسی کا رازِ الم آشکار کیا ہوگا

شفق کے پردے مین جنبش کسی کے دامن کی — فریب اور دلِ بے قرار کیا ہوگا

کبھی ہے درد کبھی آرزو! کبھی حسرت! — خبر نہین، دلِ آشفتہ کار کیا ہوگا

تفکرے کم نہین خاور، جمودِ زیست کہ جب

کوئی اسیر کہے بار بار "کیا ہوگا"

مطبوعاتِ جدیدہ

خلاصہ تحفۃ النظار از جناب مولوی عبدالرحمن خان صاحب صدر حیدرآباد اکیڈمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد قسم اعلیٰ عہ پتہ:- مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی،

ابن بطوطہ کے مشہور سفر نامے تحفۃ النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار کا اردو مین خلاصہ ہے اس کا مکمل اردو ترجمہ عرصہ ہوا چھپ چکا ہے، گو اس تلخیص مین اصل سفر نامہ کا لطف اور دلچسپی نہین ہے اور واقعات و حالات بھی کم ہین، تاہم بیشتر ضروری معلومات آگئے ہین، فاضل ملخص کی تمہید یا دیباچہ اور تشریحات مفید اور کارآمد اضافے ہین، تمہید مین قدیم مسلمان سیاحون کا مختصر تذکرہ اور ابن بطوطہ کے زمانہ تک دنیائے اسلام کے عروج و زوال پر مختصر تبصرہ ہے، جس سے سفر نامہ کا پس منظر معلوم ہو جاتا ہے، سفر نامہ کے بعض قدیم اسماء و اعلام و مقامات اور اس قبیل کے بعض دوسرے قابلِ شرح امور کی تشریح اور کہین کہین اُن سے متعلق تاریخی واقعات کی جانب بھی اشارہ کر دیا گیا ہے، جابجا واقعات پر تنقید بھی ہے، ہر ملک کی سیاحت کا نقشہ بھی دیدیا ہے، جس سے سفر نامہ کی افادی حیثیت بڑھ گئی ہے،

گردِ راہ از جناب وحید احمد صاحب پارلیمنٹری سکریٹری تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ کونسل ہاؤس لکھنؤ،

لائق مصنف پُرانے اہلِ قلم اور بدایون کے مشہور و مرحوم ادبی رسالہ نقیب کے اڈیٹر تھے، پھر بزم ادب سے رزمگاہ سیاست مین چلے گئے، اور ایک مدت تک ادبی دنیا سے غائب رہنے کے بعد اب ایوانِ حکومت

مین نمودار ہونے ہین، لیکن یہ خوشی کا مقام ہے، کہ اس خارستان مین ان کا ذوق ادب مجروح نہین ہوا ہے، اور اس کی تازگی قائم ہے، گردِ راہ اُن کے چند مضامین اور ریڈیائی تقریرون کا مجموعہ ہے، جو بیشتر سیاسی اور بعض ادبی ہین، "انسان اقبال کی نظر مین" اور "اقبال کا نظریہ سعی وعمل" مین ان دونون سے متعلق اقبال کے افکار و تصورات کی نکتہ سنجی اور دقتِ نظر سے تشریح کی گئی ہے، ممبرون کے حقوق مین کونسل کے ممبرون کے حاکمانہ حقوق کا دلچسپ نقشہ دکھایا گیا ہے، سیاسی مضامین تقریبًا سب مسلمانون کی سیاست سے متعلق ہین، ان مین اُن کی موجودہ سیاسی پوزیشن کا جائزہ لے کر آیندہ طرزِ عمل کے متعلق مشورہ دیا گیا ہے، جو اس وقت مسلمانون کے لئے امن وسلامتی کی صحیح راہ ہے، ان مضامین مین مصنف کا ذوقِ ادب اور اس کی سلامت فکر پوری طرح نمایان ہے،

ناروا، از جناب غلام احمد صاحب فرقت تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۵ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت تحریر نہین، غالبًا ڈیڑھ دو روپیہ تک ہوگی، پتہ کتبخانہ دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ،

مصنف اپنی کتاب "مداوا" کے ذریعہ جو ترقی پسند اور آزاد شاعری کی خامیون اور بے عنوانیون کی اصلاح کے لئے ظریفانہ تنقیدی رنگ مین لکھی تھی، روشناس ہو چکے ہین، ناروا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، یہ گویا موجودہ ترقی پسند شعراء کا تنقیدی تذکرہ ہے، جس مین اٹھاسی شعراء کا تعارف، اُن کے کلام پر تبصرہ اور اس کا نمونہ ہے، تعارف او تبصرہ مین ہر شاعر اور اس کے کلام کی خصوصیات کا نہایت دلچسپ جائزہ لیا گیا ہے، اور طنز ومزاح کے پردہ مین اُن کی صحیح نقادی کی گئی ہے، کہین کہین قلم مین شوخی زیادہ آگئی ہے، جس سے اس قسم کی تحریرون مین بچنا مشکل ہے، اردو طنزیات مین یہ کتاب دلچسپ اضافہ ہے،

زہریلے آنسو مترجمہ جناب غلام سرور صاحب فگار تقطیع اوسط ضخامت ۱۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد سے ر، حال عہ کلدار، پتہ نفیس اکیڈمی عابد روڈ حیدرآباد دکن،

قاضی نذر الاسلام بنگالی زبان کے نامور اور باکمال شاعر ہین، اور واقف کارون کی رائے ہے

کہ شاعری مین اُن کا درجہ ٹیگور سے کم نہین، خود ٹیگور اُن کے اتنے معترف اور قدر دان تھے، کہ اپنی ایک تصنیف اُن کے نام سے معنون کی تھی، باوجود ایسے شاعر کے کلام سے اردو زبان اور اردو دان طبقہ تقریبًا بیگانہ ہے، مترجم نے جن کو شاعر سے خاص عقیدت ہے، زہریلے آنسو کے نام سے اُن کی چند منتخب نظمون کا ترجمہ کیا ہے، اس مین بزم ورزم اور متغزلانہ اور انقلابی دونون رنگ کی نظمون کے نمونے ہین، شاعری کا حسن اور اس کی لطافت زیادہ تر الفاظ سے وابستہ ہوتی ہے، بلکہ معنوی محاسن مین بھی الفاظ کو بڑا دخل ہے، اس لئے کسی زبان کی شاعری کا اس کے پورے محاسن کے ساتھ ترجمہ نہین ہو سکتا، تاہم لائق مترجم نے ظاہری حسن کو بھی قائم رکھنے کی امکانی کوشش کی ہے، ان نظمون سے قاضی نذر الاسلام کے کلام کی خصوصیات اور اس کے محاسن کا بڑی حد تک اندازہ ہو جاتا ہے،

کیفیات از جناب نثار یار جنگ تقطیع بڑی ضخامت ۱۵۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ تحریر نہین،

کیفیات مصنف کے کلام کا مجموعہ ہے، راقم اُن کے نام سے تو آشنا لیکن دوسری حیثیتون سے ناواقف تھا، اس لئے "محض یار جنگ" کا کلام سمجھ کر اس کا مطالعہ شروع کیا، لیکن دو ہی چار غزلون کے بعد کلام کے تیور اور زبان کی نفاست وپاکیزگی سے اندازہ ہوا، کہ یہ تو کسی اور ہی ٹکسال کا سکہ ہے، تعارف پر نگاہ ڈالی تو تصدیق ہو گئی کہ مصنف کا وطن علی گڈھ ہے، اور وہ اس کے خیر القرون کی پیداوار ہین، اور اب حیدرآباد مین مستقل سکونت اختیار کر لی ہے، وہ ایک کہنہ مشق شاعر ہین، اُن کی مشق سخن پر چالیس سال سے زیادہ گذر چکے ہین، کلام ہر حیثیت سے استادانہ ہے، زبان اتنی شستہ ورفتہ اور انداز بیان اتنا سلیس برجستہ اور دلاویز ہے، کہ اکثر اشعار زبان کی ٹکسال کے ڈھلے ہوئے سکے معلوم ہوتے ہین، دیوان کے شروع مین جناب ماہر القادری کے قلم سے مصنف کے حالات اور حضرت جگر مرادآبادی کے قلم سے کلام پر رائے اور اس کا انتخاب ہے، امید ہے کہ اصحاب ذوق کیفیات کی پوری قدر دانی فرمائین گے،

قضیۃ الحدیث فی حجیۃ الحدیث — از مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی مدرس مدرسہ اہل حدیث تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت ۳ر پتہ بزم توحید مدنپورہ بنارس

مسلمانون مین ایک طبقہ احادیث نبوی کی صحت اور اُس کی حجیت کا منکر ہے، اس کی تردید مین بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی نے اس موضوع پر تقریر فرمائی تھی، اسی کو کتابی شکل مین شائع کر دیا گیا ہے اس مین احادیث کی اہمیت اسکی صحت اور حجیت کے دلائل دئے گئے ہین، جو زیادہ تر پیشین گوئی کی احادیث پر مشتمل ہین، اس سے انکار نہین کہ پیشین گوئیون کی صحیح احادیث بھی ہین لیکن تنہا پیشین گوئی کی صحت کسی چیز کی صداقت کا معیار نہین ہے، اس کے علمی دلائل دوسرے ہین جن کی جانب مولانا نے توجہ نہین فرمائی ہے، اور تعجب یہ ہے کہ مولانا نے وحشت ہو کر رطب و یابس احادیث مین امتیاز نہین فرمایا ہے حتی کہ اپنے مسلک آمین بالجہر کے جھگڑے کی پیشینگوئی بھی حدیث سے ڈھونڈھ نکالی ہے کم از کم اس کتاب کو جو حدیث کی حجیت پر لکھی گئی ہے، اس قسم کی "صحیح" احادیث سے خالی ہونا چاہئے تھا، غالباً مولانا نے یہ تقریر عوام مین کی تھی اور یہ کتاب بھی عوام ہی کے مطالعہ کی ہے، لیکن نام ایسا رکھا ہے کہ جسے خواص بھی بغیر لغت کے نہیں سمجھ سکتے البتہ اس نام سے یہ کتاب باذن ہو گئی ہے،

مجموعۂ رباعیات حکیم صوفی محمد عبد اللہ خان صاحب مضطر ٹونکی مرحوم تقطیع جیبی، ضخامت ۴۴ صفحے کاغذ کتابت وطباعت اوسط قیمت تحریر نہین، پتہ:- حکیم صوفی محمد یونس صاحب محلہ رجبن ریاست ٹونک، راجپوتانہ،

مصنف جیسا کہ اُن کے نام اور کلام سے بھی ظاہر ہے ایک صاحب دل صوفی تھے، فارسی مین مشق سخن کرتے اور حکیم وصوفی شعرا کے طریقہ پر زیادہ تر رباعی کہتے تھے، اس مجموعہ کی تمام رباعیان اخلاقی تعلیمات اور عارفانہ و حکیمانہ مضامین و مسائل پر مشتمل ہین، آخر مین چند نظمین اور غزلین بھی ہین، اُن کی زبان مین اہل زبان کی شیرینی و لطافت اور کلام مین پُرانے اساتذہ کی پختگی ہے، کتاب کے شروع مین اس کے ناشر ہدایت اللہ خان صاحب کے قلم سے مصنف کے مختصر حالات ہین،

"م"

١٦١

جلد ۶۲ ماہ شوال المکرم و ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۸ء عدد ۳

مضامین

مقالات

ادبیات